زنگ

قیمت ۸ر

تصانیف حضرت نیاز فتحپوری

نگارستان

حضرت نیاز کے بہترین ادبی مقالات اور افسانوں کا مجموعہ۔ نگارستان نے ملک میں جو درجہ قبولیت حاصل کیا اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ اس کے متعدد مضامین غیر زبانوں میں منتقل کئے گئے قیمت علاوہ محصول عہ

گہوارۂ تمدن

مولانا نیاز کی دو معرکۃ الآرا کتاب جس میں تاریخ اور اساطیر سے ثابت کیا گیا ہے کہ ارتقاء تمدن میں عورت نے کتنا زبردست حصہ لیا ہے اور دنیائے تہذیب و شائستگی اسکی کس قدر ممنون ہے اردو میں بالکل پہلی کتاب ہے قیمت علاوہ محصول عہ

شہاب کی سرگزشت

حضرت نیاز کا وہ عدیم النظیر افسانہ جو اردو زبان میں بالکل پہلی مرتبہ سیرت نگاری کے اصول پر لکھا گیا ہے اسکی زبان اسکی تخیل اسکی نزاکت بیان اسکی بلندی مضمون اور اسکی شعاریہ سحر حلال کے درجہ تک پہنچی ہے قیمت علاوہ محصول عہ

فراست السید

مولفہ نیاز فتحپوری جس کے مطالعہ سے ایک شخص بآسانی ہاتھ کی شناخت اور اسکی اکبر دل کو دیکھ کر اپنے یا دوسرے شخص کے مستقبل سیرت عروج و زوال موت حیات صحت و بیماری شہرت و بیکنامی وغیرہ کے متعلق صحیح پیشین گوئی کر سکتا ہے قیمت علاوہ محصول عہ

شاعر کا انجام

جناب نیاز کے عنفوان شباب کا لکھا ہوا افسانہ حسن و عشق کی تمام شورش بخش کیفیات اسکے ایک جملہ میں موجود ہیں یہ افسانہ اپنے پلاٹ اور انشاء کے لحاظ سے اس قدر بلند چیز ہے کہ دوسری جگہ مل نہیں سکتی قیمت علاوہ محصول ۱۰ر

جذبات بجھا شا

جناب نیاز نے ایک دلچسپ تمہید کے ساتھ بہترین ہندی شاعری کے نمونے پیش کر کے اسکی ایسی تشریح کی ہے کہ دل بیتاب ہو جاتا ہے اردو میں اپنی سب سے پہلی کتاب اس موضوع پر لکھی گئی ہے اور ہندی کلاسیکل شعر بھی اس میں نظر آتے ہیں قیمت علاوہ محصول ۱ر

صحابیات

جس میں عہد سعادت کی ۵۰ خواتین کے مستند حالات جمع کر دئے گئے ہیں اسکا مقدمہ مولانا نے خاص اپنی انشاء میں لکھا ہے اس کتاب میں سیر الصحابیات سے زیادہ صحابیات کے حالات درج ہیں طباعت و کتابت نہایت نفیس ہے قیمت علاوہ محصول ۸ر

نقاب اٹھ جانیکے بعد

تین افسانوں کا مجموعہ جنمیں بتایا گیا ہے کہ ہر وہ چیز جو چمکتی ہے سونا نہیں۔ زبان و پلاٹ انشاء و تخیل کے لحاظ سے تعریف فضول ہے اور حضرت نیاز کا نام کافی ضمانت ہے قیمت ۵ر علاوہ محصول

مذاکرات نیاز

یعنی حضرت نیاز کی ڈائری جو ادبیات و تنقید عالیہ کا عجیب و غریب ذخیرہ ہے ایک بار اس کو شروع کر دینا اخیر تک پڑھ لینا ہے۔ اس کتاب کی بہت کم جلدیں باقی رہگئی ہیں۔ قیمت ۱۲ر علاوہ محصول

فلاسفہ قدیم

اس مجموعہ میں حضرت نیاز کے تین علمی مضامین شامل ہیں ۱۔ چند گھنٹے فلاسفہ قدیم کی روحوں کے ساتھ ۲۔ بادیین کا مذہب ۳۔ حرکت کے کرشمے نہایت مفید و دلچسپ کتاب ہے قیمت عہ علاوہ محصول

تاریخ الدولتین

جرجی زیدان کے تاریخ تمدن الاسلام کی چوتھی جلد کا ترجمہ جس میں عہد بنی امیہ و بنی عباس کی سیاسیات پر بے مثل تبصرہ کیا گیا ہے۔ جرجی زیدان کی یہ کتاب بین الاقوامی شہرت حاصل کر چکی ہے قیمت عہ علاوہ محصول

المسئلۃ الشرقیہ

مصطفےٰ کامل پاشا کی مشہور عالم کتاب کا ترجمہ یہ وہ کتاب ہے جس نے یورپ و ایشیا کے سیاسیات میں ہلچل ڈالدی تھی اور یورپ نے سب سے پہلے ترکی و مصر عرب و حجاز میں انقلاب کی روح پھونکی قیمت عہ علاوہ محصول

تذکرۂ خندۂ گل

مولفہ عبد الباری آسی جس میں ۳۰۰ صفحات سے زاید اردو فارسی کے ظریف شاعروں کے حالات مع انکے لطائف و ظرائف انتخابات کلام درج ہیں قیمت عہ محصول ۸ر

دیگر مصنفین کی قابل مطالعہ کتابیں

مثنوی لالہ رخ

خامس مورکی معرکۃ الآرا مثنوی کا مکمل ترجمہ ادبی شاہکار کا بے مثل نمونہ قیمت عہ محصول عہ

مثنوی زہر عشق

مرتبہ مجنوں گورکھپوری جسمیں ملک کے چار بہترین ادیبوں کا مقدمہ شامل ہے اور کئی تصویریں دی گئی ہیں بک تصویر رنگین ہے عہ

فراست التحریر مکمل

یعنی اردو اور انگریزی ہم خط اور اندراج تحریر دیکھ کر ایک شخص کی سیرت چال چلن مستقبل اور تمام حالات معلوم کرنے کا فن اردو میں بالکل پہلی کتاب قیمت ۸ر علاوہ محصول۔

نگار

رسالہ ہر مہینے کی ۱۵ ر تاریخ تک شائع ہوتا ہے

رسالہ نہ پہونچنے کی صورت میں ۲۵ ر تاریخ تک دفتر میں اطلاع ہونی چاہیئے ورنہ رسالہ مفت نہ روانہ ہوگا

سالانہ قیمت پانچ روپیہ (صہ) ششماہی تین روپیہ ہے

بیرون ہند سے آٹھ روپیہ سالانہ پیشگی مقرر ہے

جلد ۲۵ — فہرست مضامین مئی سنہ ۱۹۳۴ع — شمارہ ۵

ملاحظات ——— ۲

عہد حاضر کے فسانہ نگار ——— حمورابی ——— ۹

ی گر ——— طاہرہ دیوی ——— ۴۲

ندان لاہور سے ——— عقیل ناظر حسین جعفری (خیر آباد) ——— ۴۷

ے اسلام کا عظیم انقلاب ——— عزیز احمد زبیری ——— ۵۱

ات نیاز ——— ۵۸

الاستفسار ——— ۶۳

باب الانتقاد ——— ۶۷

غالب کا ایک شعر ——— محمد اسحاق ——— ۷۱

فاقہ کی ایک شام ——— علی اختر ——— ۷۷

بصارت وبصیرت ——— کوکب ۔ تپش ——— ۷۸

انتخاب کلام ——— دیوان امرناتھ محسن ——— ۷۹

"بیراگ کا روگ" نیاز فتحپوری کا جدید افسانہ ماہ آیندہ سے شروع ہوگا۔

نگار

اڈیٹر:- نیاز فتحپوری

جلد ۲۵	مئی ۳۴ء	شمارہ ۵

ملاحظات

رجالِ بخاری ـــــــ

امامیہ مشن لکھنؤ کچھ عرصہ سے تبلیغی رسایل شایع کرنے میں کافی محنت و مستعدی سے کام لے رہا ہے اور نگار کے صفحات پر اس کے متعدد رسائل کا ذکر آچکا ہے

یہ کتاب بھی اسی مشن کی پندرہویں دینی خدمت ہے اور اس سے مقصود یہ ثابت کرنا ہے کہ اہل سنت کی صحاح اور خصوصیت کے ساتھ بخاری کی احادیث جن راویوں سے لی گئی ہیں وہ بالکل ناقابل اعتبار ہیں۔ کتاب زیر بحث میں ردلیف الف سے ردلیف زا تک صرف ۵۶ راویوں کا ذکر کیا گیا ہے جو ابو ہریرہ سے شروع ہو کر زہری پر ختم ہوتا ہے۔ باقی تین یا چار جلدوں میں اس تصنیف کو مکمل کر دیا جائے گا

اخبارات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض اہل سنت صحافیوں نے اس تصنیف کو ناقابل برداشت حملہ خیال

کیا ہے اور وہ اس کو اپنے اکابر کی کھلی ہوئی توہین قرار دے کر عوام کے جذبات کو مشتعل کرنا چاہتے ہیں ـــــ ہم چاہتے ہیں کہ اس ماہ کے ملاحظات میں اسی مسئلہ پر اظہار رائے کریں، اس لئے نہیں کہ ہمارے نزدیک یہ کتاب کوئی خاص اہمیت رکھتی ہے یا یہ کہ جماعت احناف کے اخباروں کی چیخ پکار کوئی پسندیدہ فعل ہے، بلکہ صرف اس بنا پر کہ "مذہب" کا خیال اب روز بروز کس درجہ ناقابل برداشت ہوتا جارہا ہے اور علمبردارانِ مذہب کا طرزِ عمل اور اُن کا تبلیغی جہاد ملک کی ترقی کے لئے کتنا زبردست سنگِ راہ ہے

مذاہب کا تقابلی مطالعہ کرنے کے بعد ایک شخص کے سامنے سب سے پہلے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کس مذہب کو صحیح باور کرے اور کس کو غلط، کیونکہ ہر مذہب دوسرے کو باطل قرار دیتا ہے اور اس لئے شخص ثالث کے لئے سوائے اِس کے کوئی چارۂ کار نہیں رہتا کہ وہ یا تو سب کو اصولاً صحیح سمجھے یا سب کو باطل قرار دے۔ پھر یہ اختلاف مذاہب ہی تک محدود نہیں بلکہ ان جماعتوں میں بھی پایا جاتا ہے۔ جو اپنے آپ کو ایک ہی مذہب سے منسوب کرتی ہیں، مثلاً ہندوؤں میں آریہ سماجی اور سناتن دھرمی کا اختلاف، عیسائیوں میں پروٹسٹنٹ اور رومن کیتھولک کا اختلاف، مسلمانوں میں، شیعہ، سنی، وہابی اور احمدی وغیرہ کا اختلاف کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کو نہ صرف خاطی و گناہگار جانتا ہے بلکہ بیدین سمجھ کر مذہب ہی سے خارج کر دینے پر تلا ہوا ہے

دیگر مذاہب سے قطع نظر کرکے اس وقت صرف اسلام کو لیجئے، اور غور کیجئے کہ یہ اختلاف اس میں کیوں پیدا ہوا تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اس کا تعلق نہ اصول عقائد سے ہے نہ خدا اور رسول سے، بلکہ اس کا سبب یا تو تاریخی تحقیق کا اختلاف ہے یا اُن ذاتی جذبات کا جو شخصی مفاد کے ماتحت ایک دوسرے سے متصادم ہوئے۔ مثلاً آپ مسئلۂ خلافت ہی کو لے لیجئے کہ ایک جماعت، اوّل تین خلفاء کو غاصب قرار دے کر چوتھے خلیفہ کو رسول اللہ کا جائز جانشین تصور کرتی ہے اور دوسری جماعت اس کی مخالف ہے۔ پھر تھوڑی دیر کے لئے مان لیجئے کہ خلافت کی ترتیب واقعی رسول اللہ کی مرضی کے خلاف ہوئی اور فی الحقیقت حضرت علی کا حق غصب کیا گیا، تو بھی اس سے صرف یہ نتیجہ نکل سکتا ہے کہ پہلے تین خلفاء نے اپنے ذاتی مفاد کے لئے راستی کو چھوڑ دیا یا زیادہ سے زیادہ یہ کہ وہ مسلمان ہی نہ تھے، لیکن کیا اسلام، نام خلفاء پر ایمان لانے کا ہے، اور کیا ان کے متعلق رائے کا اختلاف اصلِ مذہب کا اختلاف ہے، عقایدِ اسلامی کا اختلاف ہے؟ یعنی اگر خلفاء ثلثہ کو بُرا کہنا بیدینی کا مترادف نہیں تو کیا انھیں اچھا کہنا ایک انسان کو مذہب سے خارج کر سکتا ہے

پھر جب اصل مذہب یہ نہیں ہے تو بحث کا پہلو صرف تاریخی و سیاسی رہ جاتا ہے اور تاریخ و سیاست کی بحث و تمحیص کو مذہب سے کوئی تعلق نہیں۔ اور نہ اس کا اختلاف کسی جنگ و نزاع کا موجب ہو سکتا ہے۔ لیکن کسقدر حیرتناک امر ہے کہ آج بھی جبکہ نہ خلفاء ثلثہ کا وجود باقی ہے اور نہ آلِ رسول کی حکومت و سیادت کا مسئلہ مابہ النزاع، یہ جھگڑا بالکل اسی طرح چلا آرہا ہے جس طرح قرونِ اولیٰ میں پایا جاتا تھا اور ان میں سے کسی کو یہ سمجھنے کی توفیق نہیں

ہوتی کہ اگر علیؑ خلافت اولیٰ کے مستحق تھے تو بھی اب انھیں خلیفۂ اوّل نہیں بنایا جا سکتا اور اگر نہیں تھے تو خواہ مخواہ اس ذکر کی تکرار کی ضرورت کیا ہے

بہ ظاہر یہ امر کتنا صاف و صریح ہے، لیکن کسی کو ادنیٰ غور و تامل کی بھی توفیق نہیں ہوتی — کیوں ؟۔ اس کا سبب بھی وہی مولویانہ ذہنیت (Priest mentality) ہے جو شروع سے اسلام کی بنیاد کو کھودتی چلی آ رہی ہے اور اب تک اس نے اپنا یہ کام ختم نہیں کیا

عوام تاریخ کے نازک اختلافی مسایل کو کبھی نہیں سمجھ سکتے اور ان کے نزدیک مذہب کا مفہوم وہی ہوتا ہے۔ جو مولوی انھیں سمجھا دیتے ہیں۔ اس لئے اس باب میں اگر قابل الزام کوئی جماعت ہے تو وہ شیعہ و سنی علماء کی ہے۔ جنھوں نے فروعی اختلافات کو طرح طرح کی رنگ آمیزیوں سے پیش کر کے عوام کو اصل مذہب کی طرف سے غافل کر رکھا ہے اور دوسرے غیر ضروری و لایعنی مسایل کو عین مذہب قرار دے کر مسلمانوں میں باہم دگر پھوٹ ڈال رکھی ہے

ایک مولوی کا منصب مذہبی پیشوا ہونے کی حیثیت سے صرف یہ ہونا چاہیئے کہ وہ لوگوں کو اخلاق اسلامی کی تعلیم دے سوسائٹی کے جو اصول مذہب نے مقرر کر دیے ہیں ان پر عامل ہونے کی لوگوں کو ہدایت کرے، نہ یہ کہ فضول مذہبی مناظرے قائم کر کے لوگوں میں جذبۂ منافرت پیدا کرے، لیکن وہ ہمیشہ وہی کرتا ہے جو اسے نہ کرنا چاہیئے اور کبھی وہ نہیں کرتا جو اس کا حقیقی فرض ہے، کیونکہ اس کے سامنے سوال نہ اصلاح معاشرت و اخلاق کا ہے، نہ فضائے امن و سکون کا بلکہ صرف ذاتی اقتدار و وجاہت کا، اپنی سرمایہ داری اور نمود و نمایش کا اور ظاہر ہے کہ یہ مقصد اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب وہ لوگوں میں فرقہ وارانہ جذبات پیدا کر کے خود قاید و رہنما کی حیثیت سے ان پر اپنی حکمرانی کے حقوق ثابت کر دیے وہ جس وقت وعظ و نصیحت کے لئے منبر پر رونما ہوتا ہے تو وہ صرف دو قسم کی روایتیں بیان کرتا ہے ایک وہ خلاف عقل قصص و حکایات جو معجزہ و کرامات کو ظاہر کرتی ہیں اور دوسری وہ جو فرقہ وارانہ عصبیت کو مستحکم کرنے والی ہیں یعنی اسوۂ رسول و خلفاء، اور سیرۃ اکابر و اسلاف میں صرف دو ہی باتیں اسے نظر آتی ہیں ایک ذہنی آزادی کو چھیننے والی اور دوسری افراد انسانی کو باہم گریباں و دست و گریباں ہونے پر آمادہ کرنے والی — ایک شیعی عالم اگر مجلس کو مخاطب کرے گا تو وہ جناب علی و آل رسول کی فضیلت ظاہر کرنے کے لئے اپنی تمام قابلیت اس طرح صرف کرے گا کہ خود رسول کے مناقب بیان کرنے کے لئے بھی اس کے پاس الفاظ باقی نہ رہ جائیں گے اور ایک سُنی عالم جب وعظ کہے گا تو وہ حقیقتوں کو نظر انداز کر کے اس حد تک نیچے آ جائے گا کہ یزید کو بُرا کہنا یا برا سمجھنا بھی اس کے نزدیک ناجائز ہوگا

یہیں لکھنؤ کے ایک نہایت مشہور شیعی واعظ کسی مجلس میں معراج نبوی کا ذکر فرما رہے تھے، جب براق کی لغو و خلاف عقل تصریحات سے فارغ ہونے کے بعد وہ اس بیان پر آئے کہ رسول اللہ نے اس کی سواری لی تو اسی سلسلہ میں نہایت

زور وشور کے ساتھ ٹیپ کا یہ بند بھی فرمایا کہ اُس کی فضیلت کو دیکھو جو خود رسول اللہ کے دوش پر سوار ہوا ہو۔ مدعا یہ کہ اگر رسول کو سواری کے لئے بُراق عطا ہوا تو حسین کو سواری کے لئے خود رسول عطا ہوئے اور اس طرح گویا عوام کو یہ سمجھنے پر مجبور کیا کہ امام حسین کا مرتبہ رسول سے زیادہ بلند تھا۔ پھر جب کسی مذہب کے علماء کی شانِ استدلال یہ ہو اور وہ ایسی معمولی معمولی باتوں کو شاعری سے کام لے کر دلیل وحجت قرار دیں تو عوام جتنے بھی گمراہ ہوں کم ہے

لکھنؤ کے ایک دوسرے سنی عالم کے اخلاق کا حال سنئے جو بڑے صاحب دل صوفی بھی سمجھے جاتے ہیں اور جن کا در بار ہر وقت زائرین کی کثرت سے گرم رہتا ہے۔ ایک بار میرے ایک شناسا ان سے ملنے گئے لیکن وہ تنہا نہ تھے بلکہ ایک اور صاحب امامیہ مذہب کے ان کی معیت میں تھے۔ مولانا نے ان کو دیکھتے ہی حد درجہ برہمی کے ساتھ فرمایا کہ "نکل جاؤ یہاں سے، تم اس مردود رافضی کو کیوں ساتھ لے آئے"

لکھنؤ میں شیعوں کی ایک نہایت مشہور مسجد نافِ آبادی میں واقع ہے۔ چند دن کی بات ہے، گاؤں کا ایک سُنّی مسلمان اس طرف آنکلا، عصر کا وقت تھا، مسجد دیکھ کر اوپر چڑھ گیا اور حوض میں وضو کرنے لگا۔ چند شیعہ وہاں موجود تھے، انھوں نے اس کے طریق وضو کو دیکھ کر سمجھ لیا کہ یہ مومن نہیں ہے اور اپنے پیش امام کو اطلاع دی، انھوں نے آتے ہی سیکڑوں گالیاں اس غریب کو سنا دیں اور کہا کہ تو نے حوض ناپاک کر دیا۔ چنانچہ وہ جان بچا کر وہاں سے بھاگا اور بعد کو وہ حوض صاف کیا گیا، درانحالیکہ اس حوض میں پیش امام صاحب کے بچوں کے پوتڑے بھی دھوئے جاتے ہیں، بازار کے پان بھی اس میں ڈبو کر صاف کئے جاتے ہیں، لیکن وہ حوض بدستور پاک رہتا ہے اور اس میں کوئی نجاست پیدا نہیں ہوتی

الغرض یہ اور اسی قسم کے ہزاروں واقعات ایسے ہیں جن سے باہمی منافرت کا پتہ چلتا ہے اور چونکہ یہ کیفیت دونوں فریق کے علماء کی پیدا کی ہوئی ہے اس لئے اس کا علاج صرف اس طرح ممکن ہے کہ سب سے پہلے مولویوں کو اُن کے منصب وعظ وہدایت سے علیٰحدہ کر دیا جائے اور تبلیغی اقدامات بالکل ترک کر دیے جائیں

تبلیغی ادارے خواہ وہ سنیوں کے ہوں یا شیعہ جماعت کے اس وقت تک سوائے اختلاف پیدا کرنے کے کچھ نہیں کر سکے اور اگر تھوڑی دیر کے لئے مان لیا جائے کہ چند شیعہ سنی ہو گئے یا چند سنی شیعہ، تو اس سے کون سی بڑی تقویت کسی جماعت کو پہونچ سکتی ہے، جبکہ ذہنی غلامی کے لحاظ سے جو مولویوں کی فرسودہ وخلاف عقل روایات سے پیدا ہو رہی ہے، شیعہ سنی دونوں انسانیت واخلاق کے لئے یکسر توہین ہیں، اور ان کی جماعت میں کوئی اضافہ کرنا گویا ناکارہ افراد کا بڑھانا ہے

الغرض اشاعت مذہب وتبلیغ میرے نزدیک سخت مضرت رساں تحریک ہے اور اس قسم کے اداروں کو میں ملک و قوم کی انتہائی بدنصیبی خیال کرتا ہوں ——— پھر چونکہ رجال بخاری جس کا ذکر میں نے ابتدا میں کیا ہے، اسی ختم

کی تبلیغی کتاب ہے اس لئے کبھی پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھی جا سکتی اور ایسے رسایل سے نہ اس وقت تک کوئی مفید نتیجہ پیدا ہوا ہے اور نہ آیندہ پیدا ہونے کی توقع ہے، کیونکہ وہ کسی سنی عالم کی کتاب ہو یا شیعہ مجتہد کی اس نقص سے کبھی خالی نہیں ہو سکتی کہ اس کی بنیاد صرف منقولات پر قائم ہوتی ہے اور مؤلف کو خود اپنی عقل سے کام لینے کی توفیق کبھی نہیں ہوتی۔ اگر وہ شیعہ ہے تو اس کو بڑا کارنامہ سمجھتا ہے کہ اس نے سنیوں کی کتابوں سے اپنے معتقدات کو ثابت کر دیا اور اگر سنی ہے تو وہ اس کو اپنی بڑی قابلیت جانتا ہے کہ شیعہ علماء کی تالیفات سے اپنے عقائد کا ثبوت اس نے پیش کر دیا، درانحالیکہ تنقید کے ماتحت نہ اُن کے حوالے قابل اعتبار ہیں نہ ان کے استناد لایق اعتنا، اور دونوں دریا برد کر دینے کے قابل ہیں

تحقیق کی خوبی یہ ہے کہ مذہب سے بالکل علیحدہ ہو کر، فرقہ وارانہ تعصب سے پاک ہو کر مورخانہ انصاف سے کام لیا جائے، لکھنے والا خود اپنی عقل سے بھی کام لے کر کسی نتیجہ پر پہونچے، لیکن جب ہمارے علماء کے ذہنی افلاس کا یہ حال ہے کہ مذہب کے باب میں عقل سے کام لینا کفر و ارتداد قرار دیں، تو اُن سے یہ توقع رکھنا کہ کوئی سمجھ کی بات اُن کے قلم سے نکلے گی یکسر حماقت و بے عقلی ہے

اسی کتاب میں اکثر راویوں کو صرف اس دلیل کی بناء پر ناقابل اعتبار ٹھیرایا ہے کہ وہ علی اور آل رسول کے خلاف تھے، مدعا یہ کہ اگر کوئی شخص کسی وجہ سے علی کا موافق نہ ہو تو وہ کبھی سچ بول ہی نہیں سکتا، اس کے کسی بات کا اعتبار کرنا ہی نہیں چاہیئے۔ زیادہ سے زیادہ آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ علی اور آل رسول کے باب میں اس کی روایات قابل اعتبار نہیں، نہ یہ کہ اس کا ہر قول لغو و باطل ہے۔ بہرحال جس ذہنیت کے ماتحت یہ کتاب شایع کی گئی ہے نہ وہ کبھی قابل ستایش ہو سکتی ہے اور نہ وہ ذہنیت جو اس کی مخالفت میں ظاہر کی جا رہی ہے،

رجال بخاری قابل اعتبار ہوں یا نہ ہوں، اہل سنت کبھی "بخاری" پر ایمان لانا ترک نہیں کریں گے۔ خواہ اس کی روایات سے کتنی ہی رسول اللہ کی توہین ہوتی ہو اور شیعہ لاکھ تحقیق کا دعویٰ کریں لیکن اس جذبہ سے ان کی کوئی کتاب خالی نہ ہوگی کہ جو شخص علی کی ولایت کا قایل نہیں وہ رسول و خدا کا دشمن ہے اگر ایک طرف خلفاء ثلثہ کی مدح و فضیلت میں خلاف موضوع احادیث کا انبار پایا جاتا ہے تو دوسری طرف حضرت علی و آل رسول کی شان میں بھی کچھ کم غلو سے کام نہیں لیا گیا ——— رسول اللہ کی وفات کے بعد ہی سیاسی اختلافات شروع ہو گئے تھے۔ اور ہر جماعت اپنی موافقت میں وضع احادیث سے کام لے رہی تھی، یہاں تک کہ دو تین صدی کے اندر کذب و افترا کا اتنا زبردست دفتر مرتب ہو گیا، کہ آج ایک نقاد کے سامنے یہ سوال نہیں ہے کہ وہ کس حدیث کو غلط قرار دے بلکہ سوال یہ ہے کہ وہ کس کو صحیح باور کرے۔ پھر جب حالت یہ ہے تو ایسے لٹریچر پر مذہب و تحقیق کی بنیاد قائم کرنا کس حد تک قرین عقل قرار دیا جا سکتا ہے۔ اور ایک تیسرا شخص جو نہ سنی ہے نہ شیعہ وہ کیونکر "رجال بخاری"

کی صحت کا قائل ہوسکتا ہے جبکہ اس میں بھی اسی روایتی استدلال سے کام لیا گیا ہے اور اس کی مخالفت کرنے والوں کو کیونکر صحیح باور کرسکتا ہے جبکہ واقعی خود بخاری کے اندر کثرت سے ایسی احادیث موجود ہیں جنھیں عقل سلیم کبھی باور نہیں کرسکتی

اس لئے میرے نزدیک اگر امامیہ مشن نے یہ کتاب لکھ کر کوئی اچھی خدمت انجام نہیں دی تو اہل سنت بھی اس کے خلاف ہنگامہ برپا کرنے میں کسی دانشمندی سے کام نہیں لے رہے ——— اگر یہ تبلیغی سرگرمیاں دور نہیں ہوسکتیں تو اس کا علاج صرف یہی ہے کہ ان کی طرف اعتنا نہ کیا جائے، لیکن جب تک دنیا میں مولوی کا وجود باقی ہے۔ یہ ممکن نہیں اور فتنہ و فساد کی وجہ سے آخر کار مسلمان قوم کو تباہ ہونا ہے جف القلم بما ھو کائن لہٗ

لکھنؤ کا محرم ملک میں خاص شہرت رکھتا ہے اور یقیناً اس شہرت کی بنیاد شاہانِ اودھ کے زمانہ میں پڑی ہوگی جب شیعی حکومت ہونے کے لحاظ سے تمام مراسم عزاداری، و مجالس ذکر شہادت کے لئے یہاں غیر معمولی اہتمام کیا جاتا تھا۔ اور یہاں کے بعض بادشاہوں نے جو فنونِ لطیفہ کے ازبس شایق و ماہر تھے، مرثیہ خوانی میں موسیقی کو شامل کرکے سوزخوانی کی بنیاد ڈالی تھی ——— لیکن اب اس اُجڑے ہوئے دیار میں اس قسم کی گھماگھمی یا اس انداز کی کوئی فنی خوبی تو کہیں نظر نہیں آتی، لیکن ایک نئی خصوصیت یہ ضرور پیدا ہوگئی ہے کہ شیعی مجالس کے جواب میں اہل سنت بھی ذکر شہادت کی محفلیں مرتب کرتے ہیں یعنی اگر ایک طرف واقعۂ کربلا کے بیان میں ضمناً یا کنایۃً خلفاء پر طعن و تشنیع ضروری سمجھی جاتی ہے، تو دوسری طرف شہادت حسین کا ذکر تو خیر کیا لیکن خلفاء ثلثہ کی افضلیت کا بیان نہایت زور و شور سے ہوتا ہے

الغرض دو اکھاڑے پوری قوت کے ساتھ قائم کئے جاتے ہیں اور ان دونوں میں سے ہر ایک کا مقصد صحیح اسوۂ حسینی پیش کرنے کے بجائے فرقہ دارانہ جذبات کو مشتعل کرنا ہوتا ہے، اگر شیعی مجالس میں حضرت علی اور امام حسین کی فضیلت بیان کرنے میں غلو سے کام لے کر اُن کو رسول کے مرتبہ سے بھی بڑھا کر خدا بنا دیا جاتا ہے تو سنیوں کی محافل میں یزید کی حمایت سے بھی اظہار بیزاری نہیں کیا جاتا

اس میں شک نہیں کہ واقعۂ کربلا تاریخ اسلامی کا اتنا اہم و زبردست واقعہ ہے کہ اس سے کسی غیر مسلم کو بھی انکار کی جرأت نہیں ہوسکتی، چہ جائیکہ مسلمان، لیکن کیا تعزیہ داری و سینہ کوبی کے علاوہ اس میں کوئی اور درسِ اخلاق پنہاں نہیں ہے۔ اور کیا کوئی شیعہ خواہ وہ واعظ و حدیث خواں ہو یا اُجرت پر ماتم کرنے والا، اس امر کو ثابت کرسکتا ہے کہ اس کے اخلاق پر بھی اس کا کوئی اثر پڑتا ہے

اسی طرح میں اہل سنت علماء سے پوچھتا ہوں کہ عشرۂ محرم میں جو مواعظ وہ یہاں آکر ارشاد فرماتے ہیں کیا وہ خود بھی ان سے متاثر ہوکر اسوۂ صدیق و فاروق کا کوئی شائبہ اپنے اندر پیدا ہوتے ہوئے محسوس کرتے ہیں — مگر

یہ سوال تو اس وقت پیدا ہو سکتا ہے جب حقیقتاً ان کا مقصود اصلاح اعمال و اخلاق ہو، لیکن جب سرے سے ان کا مدعا ہی صرف فرقہ وارانہ جذبات پیدا کرنا ہو تو پھر یہ گفتگو فضول ہے۔ رہ گئی تحقیق تاریخی سو اس کا یہ حال ہے کہ شاید ہی طلسم ہوشربا میں ایسے ایسے عجیب و غریب واقعات درج ہوں گے جو سنی و شیعہ واعظین کی زبان سے سننے میں آتے ہیں۔ پھر میں حیران ہوں کہ جب انکی حدیث خوانیاں اور وعظ فرمائیاں مذہب و اخلاق، تاریخ و تحقیق کسی لحاظ سے قابل ذکر نہیں تو ان کی ضرورت کیا ہے اور کیوں اسلام کو رُسوا کیا جاتا ہے

اگر حضرات شیعہ اس زمانہ میں مجالس عزاداری منعقد کرنے پر اپنے عقاید کے لحاظ سے مجبور ہیں تو سنیوں کا یہ فرض ہرگز نہ ہونا چاہئے کہ وہ ان کے مقابلہ میں مناظرانہ و معاندانہ قسم کی محفلیں برپا کریں اور ٹھیک اس وقت جبکہ شیعوں کے جذبات میں ایک خاص قسم کا ہیجان ہوتا ہے، اپنی مخالفانہ تقریروں سے فضا کو مکدر کر دیں سال کے بارہ مہینوں میں صرف عشرۂ محرم کو خلفاء ثلثہ کے فضایل بیان کرنے کے لئے مخصوص کر لینا۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ کس قسم کی ذہنیت کا اظہار ہے۔ اور یہ اگر روٹی حاصل کرنے کا ذریعہ نہیں ہے تو اس کو کس مصلحت کی بنا پر روا رکھا جا سکتا ہے،

مجموعۂ استفسار و جواب

کی کتابت ہونے کے بعد یہ اندازہ کیا گیا ہے کہ اس کی ضخامت کم از کم ڈیڑھ ہزار صفحات تک پہونچ جائے گی۔ اور یہ کسی طرح مناسب نہیں کہ ایک ہی جلد میں اسے شایع کیا جائے

اس لئے تین جلدوں میں اس کو پورا کیا جائے گا۔ اور ہر جلد کی قیمت چار روپیہ ہوگی۔ پہلی جلد اس سال کے اخیر تک شایع ہو جائے گی اور باقی دو جلدیں سال آیندہ میں شایع ہو سکیں گی —— اب براہِ کرم کوئی صاحب عہ کامنی آرڈر بھیجکر اس کے حاصل کرنے کی کوشش نہ فرمائیں۔ اس وقت تک جن حضرات کی رقم وصول ہو گئی ہے انکو پہلی جلد بعد اشاعت بھیجدی جائے گی۔ تینوں جلدیں اپنی اپنی جگہ بالکل مکمل چیز ہوں گی

پہلی جلد مکمل ہونے کے بعد اس کی فہرست نگار میں شایع کر دی جائے گی تاکہ ناظرین کو اندازہ ہو جائے کہ اس میں کون کون سے مباحث آگئے ہیں

جو حضرات ابھی سے صرف خط بھیج کر اپنا نام درج کرا لیں گے اُن کے ساتھ محصول ڈاک کی رعایت ضرور کی جائیگی

منیجر نگار لکھنؤ

"عہد حاضر کے فسانہ نگار"

افسانہ کے متعلق مشہور انگریزی شاعر ڈرائیڈن لکھتا ہے کہ " افسانہ شاعری اور مصوری کا نچوڑ ہے "
مادام نیکر کا خیال ہے کہ " افسانہ ادب کی شاعری ہے "
سٹلنگ فلیٹ کہتا ہے۔ " کم از کم دل کو خوش کرنے کے لئے کہانی سچی معلوم ہونی چاہئے۔ وہ پر محل، دلچسپ مختصر اور انوکھی بھی ہونی چاہئے۔ اور جب کبھی وہ ان اصول سے انحراف کرتی ہے تو عقلمند سو جاتے ہیں اور بیوقوفوں کو واہ وا کے لئے چھوڑ دیتے ہیں
سر والٹر اسکاٹ کہتا ہے۔ " میں حقیقت کے رُخ سے نقاب نہیں اٹھا سکتا۔ میں تو تمھیں افسانہ سناتا ہوں کہ میں نے خود اُسے یونہی سنا ہے "
ہومر کی رائے ہے۔ " افسانہ ایزدی نغمہ کی مانند نرم رو ہے "

دنیا کی ہر زبان کے علم و ادب پر ایک نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ " افسانہ " کا وجود ہر مُلک ہر قوم اور ہر زبان میں کسی نہ کسی حد تک ضرور پایا جاتا ہے خواہ وہ زبان اور مُلک اپنی معاشرت اور علم کی وجہ سے ترقی کے اعلےٰ مدارج پر گامزن ہو یا پستی کی ادنیٰ ترین منزلوں میں ہو۔ چنانچہ۔ امریکہ، افریقہ، اسٹریلیا، چین، جاپان، روس، جرمنی، ترکی، انگلستان، مصر، عرب، اسپین، اطالیہ، فرانس اور ہر دوسرے ملک میں، " افسانے " اپنی مختلف صورتوں میں موجود ہیں۔ کسی ملک میں افسانہ نگاری اوجِ کمال پر پہونچی ہوئی ہے تو کسی زبان میں ابھی بالکل ابتدائی حالت میں ہے مختلف ممالک میں " افسانہ نگاری " نے، وہاں کے تمدّن اور معاشرت کے لحاظ سے مختلف صورتیں اختیار کی ہیں۔ اور یہ بات افسانوں کو پڑھنے سے خاص طور پر واضح ہوتی ہے۔ مثلاً چینی افسانے، جو اپنی افسانویت کے لحاظ سے دنیا میں بہترین سمجھے جاتے ہیں اپنی توہم پرستی کے لحاظ سے ممتاز ہیں۔ کیونکہ چینیوں کی معاشرت میں " توہم پرستی " کا بہت بڑا عنصر شامل ہے۔ اسی طرح عربی فسانوں میں وہاں کی معاشرتِ قدیم کا لحاظ کرتے ہوئے " عشقیہ فسانے " خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ ترکی فسانوں میں حُریت اور جنگی جوش و خروش کا عنصر غالب ہوتا ہے۔ مصری فسانوں میں " عُریانی " کی جھلک نظر آتی ہے" روسی فسانے " انقلاب اور اشتراکیت پسندی کی کسی نہ کسی طرح تعبیر کرتے ہیں۔ اور عموماً روزمرہ کی سادہ زندگی کا خاکہ ہوتے ہیں

امریکی افسانوں میں " سُراغرسانی " کی بہتات ہوتی ہے اور اسی طرح ہندی فسانوں میں ، توہم پرستی اور اصنام پرستی، دونوں ملی ہوئی پائی جاتی ہیں

جہاں تک میرے مطالعہ کو دخل ہے میں یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ دنیائے ادب کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ چینی افسانے، اپنی افسانویت کے لحاظ سے بہترین اور بیحد دلکش ہوتے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے ؟ اس کی وجہ یہی ہے کہ چینی افسانے عجیب وغریب اور مافوق الفطرت واقعات اور حالات کی تصویر ہوتے ہیں ۔ اور انسانی فطرت کا یہ خاصہ ہے کہ وہ عجیب وغریب اور غیر فطرتی باتوں کو زیادہ دلچسپی سے سنتی .... اور پسند کرتی ہے۔ اگر چینی افسانوں سے " توہم پرستی " کا جزو نکال دیا جائے۔ تو پھر ان میں کچھ نہیں رہ جاتا۔ سارا افسانہ ، بے جوڑ اور غیر موزوں جملوں کا ایک پیخر بن جاتا ہے۔ یہی بات ہندی فسانوں میں بھی پائی جاتی ہے۔ اس کے برخلاف اگر روسی یا عربی فسانہ نگاری کو لیا جائے۔ یا انگریزی اور فرانسیسی فسانہ نگاری پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ ان میں جو واقعات بیان کئے جاتے ہیں۔ وہ عین فطرت کے مطابق ہوتے ہیں یا ہو سکتے ہیں۔ اور ان فسانوں کے کردار (Characters) ہمیں اپنے ہی جیسے انسان معلوم ہوتے ہیں۔ قطع نظر اس کے اگر چینی فسانوں یا ہندی فسانوں کے کرداروں کو دیکھیں تو مقدم الذکر میں یا تو طوفانِ نوح سے قبل کے آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ جب ان کی عمریں پانچ پانچ سو برس کی ہوتی تھیں یا مؤخر الذکر میں انسان دیوتا بن جاتے ہیں

یہ خصوصیات جو میں نے بیان کی ہیں عہدِ قدیم کی فسانہ نگاری میں عموماً پائی جاتی ہیں موجودہ دور میں، ہر زبان کے فسانوں میں، انقلاباتِ زمانہ نے بہت کچھ تغیرات پیدا کر دیے ہیں۔ اور ہر زبان میں فسانے فطرت کے مطابق ڈھالے جا رہے ہیں۔ اور " فسانوں " سے " توہم پرستی " کا عنصر رفتہ رفتہ مٹتا جا رہا ہے

اُردو کے، عہدِ طفلی کے اس صنف پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ جو کہانی اور قصوں کی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ ان میں محیر العقول اور عجیب وغریب باتیں بیان کی گئی ہیں۔ اور وہ واقعات درج کئے گئے ہیں۔ جو بڑی حد تک کیا بالکل ناممکنات میں سے ہیں۔ چنانچہ " الف لیلہ " کی داستانیں اور " طلسم ہوشربا " اور " حاتم طائی " کے فسانے، سب عالم انسانی کے علاوہ، کسی اور دنیا کے واقعات پیش کرتے ہیں۔ جو اس دنیا میں رونما نہیں ہوتے۔ نہ جن کے ہونے کا امکان ہے

فسانے میں چند خصوصیات کا ہونا ضروری ہے۔ (۱) پلاٹ (۲) کردار نگاری (۳) طرزِ بیان۔ جس افسانے میں یہ خصوصیات بدرجۂ اتم موجود ہوں وہی بہترین فسانہ کہا جا سکتا ہے اور جو فسانہ نگار ان امور کا لحاظ رکھتے ہوئے فسانہ تحریر کرتا ہے وہ بہترین فسانہ نگار کہلاتا ہے۔ لیکن ایسے فسانہ نگار ہر ملک اور ہر زبان میں گنتی ہی کے ہوتے ہیں۔ چنانچہ اردو فسانہ نگاری بھی اس سے مستثنا نہیں۔ جس کے متعلق مجھے یہاں کچھ عرض کرنا ہے

اس حقیقت سے تو انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کہ اعلیٰ اور ادنیٰ معیار کے فسانے ہر زبان میں پائے جاتے ہیں۔ مگر اُردو " فسانہ نگاری " اس وجہ سے اور زیادہ غیر اہم اور مہمل ہوتی جا رہی ہیں کہ جو شخص مضمون نگاری کی طرف توجہ کرتا ہے وہ

پہلے " فن افسانہ نگاری " کو تختۂ مشق بنا تا ہے ——— حالانکہ مضمون نگاری شروع کرنے سے قبل مبتدی کو اپنے ذوق کا صحیح اندازہ کر لینا چاہئے کہ وہ کس " صنفِ ادب " کی طرف مائل ہے ——— اور ایڈیٹر، اس پر غور و خوض کئے بغیر، اس کو اپنے رسالوں میں تعریف اور شکریہ کے ساتھ درج کرتے ہیں۔ ان کا مقصد اس سے مضمون نگار کی ہمت افزائی کرنا ہوتا ہے لیکن اس ہمت افزائی سے " اُردو فسانہ نگاری " پر جو بُرے اثرات مسلط ہوتے ہیں ان کو دور کرنا محال ہو جاتا ہے۔ حالانکہ ہمت افزائی کے اور بہت سے طریقے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اُردو میں جو فسانے لکھے جاتے ہیں۔ وہ عموماً عیوب سے آلودہ اور بہت کم اوصاف سے متصف نظر آتے ہیں

اگر کسی فسانے میں کوئی بات موجود ہو تو طرزِ نگارش نہایت بھونڈا اور استعارات اور تشبیہیں نہایت غیر موزوں اور مہمل ہوتی ہیں۔ کسی فسانے میں " عریانی " کا طوفان سا موجیں مارتا ہوا نظر آتا ہے تو کسی میں بے جا تفصیل کا ایک طومار باندھ دیا جاتا ہے۔ کہ پڑھنے سے دل گھبراتا ہے۔ اگر کسی فسانے میں " افسانویت " کا لحاظ بہ مشکل تمام رکھا جاتا ہے تو الفاظ اس قدر موٹے موٹے جمع کر دیے جاتے ہیں۔ اور طرزِ بیان اس قدر سنجیدہ، اور بعض اوقات اس قدر غیر دلچسپ ہوتا ہے کہ سارا " فسانہ " اپنی خشکی کے لحاظ سے " ریگستان " بن جاتا ہے

بہرکیف، فسانہ نگاری پر اس مختصر تمہید کے بعد، اب میں نفسِ مضمون کی طرف آپ کی توجہ منعطف کراتا ہوں۔ یعنی اُردو کے عہد حاضر کے فسانہ نگار، کس پایہ کے ہیں۔ اس مضمون میں نہ تو میں افسانوں پر تنقید کرنا چاہتا ہوں نہ تنقیص، نہ تقریظ لکھنا چاہتا ہوں نہ تبصرہ۔ بلکہ چند فسانہ نگاروں کا (کیونکہ میرے نقطۂ نظر سے اُردو میں چند ہی فسانہ نگار موجود ہیں۔ ورنہ اگر سرسری نظر سے دیکھا جائے تو ہر اُردو لکھنے والا افسانہ نگار ضرور ملے گا۔ اور اس لحاظ سے فسانہ نگاروں کی تعداد ہزاروں تک پہونچ جائے گی) ایک مختصر سا تذکرہ پیش کرنا مقصود ہے جس میں یہ دکھایا جائے گا کہ ان کی فسانہ نگاری میں کیا خصوصیات موجود ہیں اور ان کا طرزِ نگارش کن خوبیوں کا حامل ہے۔ اور ان کے فسانوں سے عوام کو اور " اردو ادب ؟ " کو کیا فائدہ پہونچ رہا ہے

دَورِ اوّل

(خ)

خواجہ حسن نظامی

آپ کے فسانے عموماً غدرِ دہلی سے متعلق ہوتے ہیں۔ اور تاریخی حیثیت رکھتے ہیں۔ مغلیہ سلطنت کے زوال کے واقعات آپ اپنے افسانوں میں اس قدر دلچسپ اور ساتھ ہی ساتھ موثر پیرائے میں بیان کرتے ہیں۔ کہ آدمی کے آنسو نکلنے لگیں زبان دہلی کی صاف اور شستہ ہوتی ہے قدیم دہلی کی زبان اور محاورات کا بہت کم استعمال کرتے ہیں۔ پلاٹ کوئی زیادہ اہمیت نہیں رکھتا۔ کیونکہ زندگی کے کسی ایک واقعہ کی تصویر پیش کرتے ہیں۔ طرزِ بیان، اس میں کوئی شک نہیں،

کہ، موثر ہوتا ہے لیکن دیرپا نہیں۔ کردار نگاری کی طرف خاص توجہ رکھی جاتی ہے واقعات، انسانی فطرت کے بالکل مطابق ہوتے ہیں۔ تصنع اور مبالغہ سے کام نہیں لیتے۔ نمونے ملاحظہ ہوں

" اب تو کوئی اُمید دلی آسکنے کی نہیں ہے۔ ہمارے بزرگوں پر بہت سے بُرے وقت آچکے ہیں۔ حضرت بابر پر ہم سے زیادہ مصیبتیں پڑ چکی ہیں۔ مگر وہ اتنے مایوس نہیں تھے جتنے ہم مایوس ہیں۔ کیونکہ اُن کی ہمت کے سامنے ساری دنیا کے دروازے کھلے ہوئے تھے۔ ان کی تلوار میں زور تھا۔ وہ جب چاہتے تھے، ہزاروں، لاکھوں آدمی ان کی حمایت کو کھڑے ہو جاتے تھے۔ اور ان کی مصیبت دُور ہو جاتی تھی۔ مگر ہماری حالت یہ ہے کہ اس شہر کا ایک آدمی بھی ہمارا ہمدرد نہیں معلوم ہوتا۔ اور دنیا میں ہمدردی جب ہی ہوتی ہے کہ ہمدردی کرنے والے کو کسی سے کچھ اُمید اور توقع ہو۔ ہم سے کسی کو کیا امید ہوگی۔ اور کیا توقع ہوگی۔ سب جانتے ہیں کہ ہماری حکومت ختم ہو چکی۔ ہمارے اقبال کا چراغ گُل ہو چکا، ہمارے سب حمایتی مر چکے۔"

" قسمت بیگ کی موثر اور مسلسل اور برجستہ تقریر کا ایک دوسرا اثر پیدا ہوا۔ اور مہاراج اپنے مہمانوں سمیت، پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اور بے اختیار مہاراج کی زبان سے نکلا " کیا تم تیموری شہزادہ ہو؟ " قسمت بیگ کو جوش آگیا۔ اور اس نے کہا۔ " شاہزادہ نہیں ہوں۔ آہ زادہ ہوں۔ دنیا کی مصیبتوں کی سب اذیتیں میں نے اٹھائی ہیں۔ تیموری خاندان تو اب مٹ چکا، جس نے باوجود انسان ہونے کے دوسرے انسانوں کو غلام بنانے کی کوشش کی تھی اور غلام بنالیا تھا "

راشد الخیری

آپ ایک کہنہ مشق فسانہ نگار ہیں۔ اور آپ کے فسانوں میں " غم " کا عنصر غالب رہتا ہے۔ اس لحاظ سے آپ کا خطاب " مصورِ غم " نہایت موزوں و مناسب ہے۔ آپ کے پلاٹ بیحد دلچسپ ہوتے ہیں۔ اور کردار نگاری پر بھی آپکو کافی دسترس حاصل ہے۔ آپ کے فسانے انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔ طرزِ بیان بیحد مؤثر اور دلسوز ہوتا ہے۔ اور یہ ممکن نہیں کہ سنگدل سے سنگدل انسان بھی آپ کے فسانوں کو پڑھ کر آنسو بہائے بغیر رہ سکے۔ زبان خالص دہلوی، صاف اور شستہ ہوتی ہے، قدامت کا رنگ زیادہ جھلکتا ہے۔ جس کو ہر بچہ اور بڑا آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ آپ کے فسانوں میں عہد قدیم کی اسلامی معاشرت اور موجودہ خواتین کی معاشری اور سماجی اصلاح پیشِ نظر ہوتی ہے۔ لیکن آپ کے افسانوں میں ایک عیب اور سخت عیب ہے کہ ٹریجڈی پیدا کرنے میں وہ حد درجہ غلو سے کام لیتے ہیں۔ یہاں تک کہ اکثر و بیشتر غیر فطری صورتیں پیدا ہو جاتی ہیں، اسی کے ساتھ دوسرا عیب یہ ہے کہ اُن کے فسانے

یکساں انداز کے ہوتے ہیں۔ اور ان میں کوئی تنوع نہیں ہوتا۔ نمونہ ملاحظہ ہو:۔

"تم نے پڑھ لکھ کر، تعلیم کو بھی بدنام کیا۔ تم جیسی آزاد عورت سوسائٹی کے لئے باعث ننگ ہے۔ ڈپٹی صاحب۔ تمہارے والد، ابا جان کے دوست ضرور تھے۔ مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ میں اپنی تمام ضروریات تمہاری خواہش پر قربان کردوں تم اپنے اس طرزِ عمل سے اپنی بہنوں کو سخت نقصان پہونچا رہی ہو۔ اور قدرت نے عورت کا جو اعتماد مرد کے دل میں پیدا کیا ہے تمہاری حرکات سے مجروح ہو رہا ہے۔ تم اپنے ساتھ اپنے صنف کی وقعت خاک میں ملا رہی ہو"

"پانچ بجے کے قریب مرزا فخر کی حالت بالکل بدتر ہوگئی۔ حکیموں نے جواب دے دیا۔ تیمار دار خاموش ہوگئے باپ جس کا کلیجہ پہلے ہی چھلنا تھا۔ مچھلی کی طرح تڑپنے لگا۔ فخر کے ہاتھ اپنی آنکھوں سے لگاتا۔ اس کے قدم چومتا، منہ پر ہاتھ پھیرتا سینہ کو بوسہ دیتا۔ اور الگ ہوکر چیخیں مارتا۔ اور پھر چمٹ جاتا۔ موت سے تھوڑی دیر پہلے جب بادشاہ کو پورا یقین ہوگیا کہ یہ عمر بھر کی کمائی لٹ رہی ہے۔ آنکھیں اس صورت کو ترسیں گی، اور کان آواز کو تڑپیں گے، تو بآوازِ بلند کلمہ طیب پڑھا۔ مرزا فخر پر مذہب اس قدر غالب تھا۔ یا اُسے مذہب سے اس قدر تعلق تھا۔ کہ شہر کے اکثر نہیں بیشتر آدمی اس کو وہابی کہتے تھے۔ وہ نذر و نیاز وغیرہ کا قائل تھا اور نہ اس قسم کے عقائد پر کاربند۔ مگر صوم و صلوٰۃ کا سختی سے پابند تھا۔ اور باوجود دولت و عزت، شباب و احباب کے درود و وظائف میں مصروف تھا"

"رات کے تین بجے، جب افروز، سلطان، کو کلیجہ سے چمٹائے۔ بے خبر پڑی سوتی تھی۔ دفعتاً سلطان کسمسایا۔ اور اس نے دو دفعہ ٹھنک کر، اونھ، اونھ کی۔ بچے کے ساتھ ہی افروز بھی اُٹھ بیٹھی اور چمکارنے لگی۔ اس وقت بچے نے رو کر نہیں۔ کچھ بسور کر اماں، اماں کہا۔ اَم کے ساتھ میم کی تشدید کو دونوں مرتبہ اتنا کھینچا کہ گھبرا گئی۔ کچھ آج سلطان کا رات کو اٹھنا۔ انوکھی بات نہ تھی وہ بارہا اٹھتا تھا۔ آج تو صرف ٹھنکا۔ ورنہ کئی دفعہ رویا، چیخا، چلایا، مچلا، مگر اس نے کبھی پانی پلا کر، کبھی سر سہلا کر سُلا دیا۔ اس وقت نہ معلوم، اس ام ——— ماں اور دونوں کے بیچ میں ایک اونھ کیا طاقت رکھتی تھی۔ سر، پاؤں، ہاتھ، پیٹ۔ سینہ، سارا بدن لپیٹ گود میں لے کر بیٹھ گئی۔ جوانی کی نیند، رات کا آخری وقت، برسات کے دن، جھونکے خود بھی آرہے تھے، مگر اس کی اذیت کے خیال سے نیند و بند سب اُڑ گئی۔ بچہ رو اب بھی نہیں رہا تھا۔ مگر اسی طرح رک رک کر ام ——— ماں۔ ام۔ ماں کہہ رہا تھا"

"فرق بین یہ تھا کہ اس کا بخار اُتر چکا تھا اس کو بخار چڑھا ہوا۔ اس پر طرہ، طارق ماشاء اللہ پورا جوان، چیرو چار گھبرو پانچ۔ فرزانہ غریب دھان پان، عمر بھر کی روگی، بارہ مہینے کی بیمار، جس کو گرمی دانہ بھی موت کا بہانہ تھا۔ وہ گھر کا

رئیس تھا تو یہ بھی کچھ گری پڑی نہ تھی۔ مانا کہ سردار پور میں طارق کا راج تھا، مگر فرزانہ بھی وہ عورت تھی جو سردار پور والوں کی لاج رکھ گئی۔ ایسی حالت میں طارق کا یہ حکم، کہ فرزانہ اٹھ کر پانی ہلائے۔ اور شبانہ پاس سے اٹھ جائے سراسر بیجا تھا۔ مگر خدا کی مار ہندوستان کے اس طرزِ معاشرت پر، جس نے عورت کو لونڈی اور ماما سے بدتر بنا دیا، بیمار، بیمار دونوں ایک جیسا انسان وہ، دیسی انسان یہ "

س
سجاد حیدر یلدرم

آپ اپنے ترکی افسانوں کے ترجمے کے لحاظ سے دنیائے افسانہ میں ممتاز شخصیت کے مالک ہیں۔ ترکی زبان و ادب میں آپ کافی دستگاہ رکھتے ہیں۔ آپ کی تحریروں اور ترجموں سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے ترکی ادب کا عمیق مطالعہ کیا ہے۔ چنانچہ آپ کے فسانے عموماً ترکی زبان سے ماخوذ و ملخص ہوتے ہیں۔ طبعزاد فسانے بھی آپ لکھتے ہیں۔ لیکن ان میں بھی ترکی رنگ غالب ہوتا ہے۔ طرزِ بیان سلیس، عام فہم، دلچسپ اور لطف آگیں ہوتا ہے۔ سادہ، صاف اور عام فہم عبارت میں جو دلکشی آپ کے یہاں پائی جاتی ہے وہ اور کسی کے یہاں نہیں پائی جاتی۔ کردار نگاری بھی فسانوں میں نمایاں حیثیت رکھتی ہے۔ سلاست، روانی اور جوش کے علاوہ آپ کے بعض فسانوں میں مزاحیہ رنگ بھی جھلکتا ہے۔ چونکہ آپ طبعاً شاعر واقع ہوئے ہیں۔ اس لئے عبارت میں بھی شعریت پیدا کر دیتے ہیں۔ فسانوں کو پڑھنے سے یہ امر بھی منکشف ہوتا ہے کہ آپ گرد و پیش کے حالات اور واقعات پر غائر نظریں ڈالنے اور ان سے نہایت اہم نتائج برآمد کرنے کے عادی ہیں۔ فطرت انسانی کا عمیق مطالعہ بھی آپ کے بعض کرداروں میں مستور ہوتا ہے۔ لیکن ترکی فسانوں کا ترجمہ کرنے میں ثقیل و غیر مانوس ترکیبوں سے آپ احتراز نہیں کرتے۔ نمونہ ملاحظہ ہو:۔

" دوسری حسین اور خوبصورت چیز، جس نے مجھے اپنی طرف کھینچا۔ وہ شمع تھی یہ نورِ عریاں مجھے گھنٹوں محوِ حیرت رکھتا تھا۔ اور کہیں قریب ہوا تو میں اس سے ملنے کے لئے بے اختیار، اس کی طرف بڑھتا تھا۔" " لیکن یہ کیا؟ مجھے روکتے تھے کیوں؟ کیوں مجھے اس حسین شئے سے ملنے نہیں دیتے تھے۔ اس لئے کہ پہلے کی طرح، ہر حسین شئے، شفیق نہیں۔ یہ حقیقت۔ یہ دلشکن حقیقت مجھے بعد میں معلوم ہوئی، اچھا ہوتا، جب ہی معلوم ہو جاتی "

" آجکل پردے کی سخت مخالفت چھڑی ہوئی ہے تمہاری اس کے متعلق کیا رائے ہے؟ جدید خیال ہو یا کہنہ خیال ہو؟ کہنہ خیال ہو گے، کیونکہ پردہ کی مخالفت تو تم سے قیامت تک بھی نہیں ہونے کی؟
میں نے کہا۔ " بیشک، پردے کی مخالفت کون صاحبِ عقل کر سکتا ہے؟ "
" تو پھر یہ شکایت بھی چھوڑ دیجئے۔ کہ ہماری زندگی میں دلچسپی نہیں "

" اس کو پردے سے کیا تعلق ؟ "

" قیس کا باپ ، اپنے " دنیا کی نظر میں دیوانے " بیٹے کی حالت سے مایوس ہو کر اجابتِ دعا کی اُمید میں مکہ آیا ۔ وہاں آیا جہاں ہر شخص اپنی عزیز ترین تمنا لے کر آتا ہے ۔ اور جہاں ، جس در کے سامنے ، جس چھت کے نیچے ، سب سے زیادہ صمیمی ، سب سے زیادہ دلی دعائیں مانگی جاتی ہیں ۔ یا زیادہ صحیح یہ کہ ہر جگہ سے زیادہ قوی ، اُمید اجابت کے ساتھ تخت سماوی کی طرف جاتی ہیں ۔ (ورنہ صمیمیت تو دنیا کے ہر گوشہ میں فریادِ قلب کر رہی ہے) وہاں وہ اسے لے کر پہونچا ۔ خود خضوع و خشوع سے دعا مانگی اور قیس سے بھی کہا کہ اپنی قابلِ رحم حالت سے نجات پانے کے لئے دستِ دعا اٹھائے "

اور قیس نے دستِ دعا اٹھائے ۔ اور انتہائے صمیمیت ، غایت تضرع سے ، اعماقِ دل سے نکلنے والی صدا سے دعا مانگی ۔ مگر کیا ؟ وہی جو اس نے سیکڑوں برس پہلے مانگی تھی ۔ اور جو ہر قیس ، طبیعت ، چاہے وہ کہیں ہو اور کسی زمانہ میں ہو ۔ مانگے گا ۔ " میں جس مصیبت میں مبتلا ہوں ، خدا کرے وہ کبھی کم نہ ہو "

ق

قاری سرفراز حسین

آپ بھی ایک کہنہ مشق فسانہ نگار ہیں ۔ زبان سلیس ، عام فہم ، اور دلی کی ٹکسالی ہوتی ہے ۔ اصلاحی رنگ نمایاں ہوتا ہے ، سوشل اور معاشری نقایص کو بخوبی بیان کر کے ان کو رفع کرنے کی کوشش کرتے ہیں ۔ کردار نگاری سے خاص ذوق ہے ۔ اور حتی الامکان ہر کردار کو اس کے فطری رنگ میں ظاہر کرتے ہیں ۔ محاوروں کا استعمال اور تشبیہ و استعارات سے بھی عبارت کو سنوارتے ہیں ۔ البتہ تحریر تاثیر سے یکسر معرا نظر آتی ہے ۔ اور پڑھنے والے کے دل پر کوئی اثر نہیں چھوڑتی ۔ پلاٹ دلچسپ ہوتا ہے ۔ طوالت پسند بیحد واقع ہوئے ہیں ۔ اندازِ بیان میں ایک حد تک سوقیت بھی ہے ، نمونہ ملاحظہ ہو :-

" کیا آپ پر پھر مجھے گناہگاری میں پھنسانے اور اس معصوم بچی کو بدنامی اور بے عزتی کے داغ کے ساتھ دنیا میں لانے کی کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی ۔ کیا آپ کے دین نے یہی تعلیم دی ہے ۔ اور کیا آپ کے خاندان کی شرافت کا یہی مقتضا ہے ۔ کہ ایک معصوم بچی کو دُنیا میں لاکر بالکل چوڑے میں چھوڑ دو ۔ تم نے ذرا اس کی صورت تو دیکھی ہوتی ۔ آنکھیں کتنی خوبصورت ہیں ۔ ماتھا کیسا چوڑا ہے ۔ ناک نقشہ کس قدر درست ہے "

" ڈرامہ کے متعلق نہیں ہم جملہ فنونِ لطیفہ ، مثل موسیقی ، دقاصی ، مصوری ، سنگتراشی وغیرہ کے متعلق لکھتے ہیں ۔ کہ اگر دنیا کی ذہنی ترقی انھیں لائنوں پر ہوتی رہی جو ترقی کرنے والی دنیا کر رہی ہے تو خواہ مذہب کتنی ہی مخالفت

کیوں نہ کرے جملہ فنونِ لطیفہ کا رواج یا تالیفی امر ہے"

دورِ ثانی

(الف)

اختر شیرانی

آپ نہ صرف شاعر ہیں، بلکہ فسانہ نگار بھی ہیں۔ اسی لیے آپ کی شاعری کا رنگ آپ کے فسانوں میں بھی جھلکتا ہے اور نہ صرف جھلکتا ہے بلکہ بہت حد تک آپ نثر میں شاعری کرتے ہیں۔ آپ کی تحریروں کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ آپ "حسن و عشق" کی دنیا میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ تشبیہ و استعارات کثرت سے استعمال کرتے ہیں۔ ایک ہی لفظ کو بار بار استعمال کرنے کے عادی معلوم ہوتے ہیں۔ یوں تو ایک لفظ کی تکرار عموماً زیادہ دلچسپ نہیں سمجھی جاتی، لیکن آپ ایک لفظ کو جب دو یا تین بار استعمال کرتے ہیں۔ تو طبیعت پر بار نہیں گذرتا۔ یہ بات ضرور ہے کہ طبعزاد افسانے بہت کم ہوتے ہیں۔ عموماً ماخوذ یا انگریزی اور عربی کا ترجمہ ہوتے ہیں۔ مگر ترجمہ بہت شستہ اور صاف ہوتا ہے اور بالکل اوریجنل (طبعزاد) معلوم ہوتا ہے تحریر کے مختلف نمونے ملاحظہ ہوں:۔

"یونان۔ تاریخی عظمتوں اور اصنامی رفعتوں سے لبریز یونان ——— کے آغوشِ عاطفت میں اس نے آنکھ کھولی۔ وہ دیویوں کی طرح حسین تھی۔ اور پھولوں کی طرح نازک۔ ستاروں کی مانند درخشاں تھی۔ اور پریوں کی طرح دلفریب۔ ہیلن کا، کافر ماجرا حسن اور محشر طراز شباب۔ بالآخر رنگ لاکر رہا۔ محبت کے شریر و حسین، مگر اندھے دیوتا کی ایک دن اس پر نظر پڑ گئی۔ اور شاید بلا سوچے سمجھے اس نے ایک تیر؛ ایک دلگداز مگر لذت آفریں تیر، اس پر صرف کر دیا۔ جو معصوم ہیلن کے نازک دل میں گھر کرتا ہوا۔ سمندر کی دیوی کے لختِ جگر، نوجوان شہیل کے جگر میں جا پیوست ہوا۔"

"اٹھو یا اخی! ——— آخر تمہاری نیند کبھی ختم بھی ہوگی۔؟ ذرا دیکھو تو تمام شہر میں کیسا ہنگامہ سا برپا ہے چاروں طرف لوگوں کے ہجوم بھاگتے نظر آتے ہیں۔ اٹھو۔ اٹھو جلدی کرو۔ اپنے خچر کوٹے کے بھاگو ———!"

"بھاگو ——— کہاں؟ کیوں۔ کیا بات ہے؟ کیا قاہرہ کو بھی قسطاط کی طرح آگ لگا دی جائے گی۔ ہمارے سر کوئی نیا ٹیکس منڈھا جائے گا۔ . . . . . غضب خدا کا۔ قاہرہ کی تمام سراؤں کو چھوڑ کر یہاں آکر ٹھہرا تھا کہ یہ جگہ "باب الفتوح" سے باہر ہے۔ یہاں تو ترکوں اور کردوں کے ظلم سے نجات ملے گی! ——— مگر ———"

اعظم کریوی

آپ کے فسانے دیہاتی معاشرت و تمدن کے علمبردار ہوتے ہیں دہقانی زندگی کی صحیح روح اور معصوم کیفیات اپنے اندر مستور رکھتے ہیں۔ کردار نگاری میں بھی اچھا خاصا ملکہ ہے آپ انگریزی کے مشہور ناول نگار چارلس ڈکنس (Charles Dickens) کی طرح متوسط یا اوسط طبقہ کے افراد، کرداروں کے لباس میں پیش کرتے ہیں۔ اور ان کو بہت خوبی سے بیان کرتے ہیں۔ پلاٹ بھی دلچسپ ہوتا ہے۔ اور زبان میں، عربی یا فارسی کے موٹے موٹے الفاظ کی بجائے سادہ، سلیس اور عام فہم ہندی الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ طوالت پسند نہیں ہیں۔ محاورے زیادہ اور تشبیہ و استعارات کم استعمال کرتے ہیں۔ مختصر یہ کہ آپ ایک خاص نوعیت کے فسانے لکھتے ہیں جن میں بیشتر ترجمہ اور بہت کم طبعزاد ہوتے ہیں۔ آپ کی تحریر کے نمونے ملاحظہ ہوں

" بسنتا نے دانتوں سے اپنی زبان دبا کر کہا۔ " نانا یہ تم کیسی بات کہہ رہے ہو ؟ تمہارا جو کچھ ہے وہ سب چنوا کا ہے۔ کھیت، مکان، سب پر اُسی کا حق ہے۔ اس کا حق چھین کر نرگ میں نہ جاؤں گا۔ رام رام یہ مجھ سے نہیں ہو سکتا۔ رہ گیا بیاہ کا معاملہ تو میں اس سے دور بھاگتا ہوں۔ میں بیاہ کروں گا ہی نہیں "

بوڑھے نے مایوس ہو کر کہا۔ " کیوں ؟ "

بسنتا نے دھان کوٹتے ہوئے جواب دیا۔ " نانا تم بوڑھے ہو کر اتنی سی بات نہیں سمجھتے۔ بات یہ ہے کہ بیاہ ہوتے ہی میں تم کو پرایا سمجھنے لگوں گا۔ یہی میرے چچا پہلے مجھ کو بہت پیار کرتے تھے لیکن جب سے ان کا بیاہ ہوا اور " چاچی " آگئیں تب سے ——— اور کیا کہوں ——— اور کچھ ڈر نہ ہوتا تو مجھے کچا ہی کھا جاتیں "

" لیکن رامائے ماں کا کہنا نہ مانا۔ اس وقت اس کے سامنے گذرا ہوا زمانہ تھا۔ پریما کی بچپن کی بے لوث محبت، اس کے دل میں چٹکیاں لے رہی تھی۔ اس نے تلسی سے سیدھا کی ٹھکالی منگوائی اور اُسی وقت دُرگا کے دروازہ پر پہونچ کر آواز دی۔ دُرگا نے دروازہ کھول کر کہا۔ " کون ہے ؟ " رامائے جواب دیا۔ " میں ہوں راما "

" ہمارے دھن بھاگ۔ آئیے۔ اندر آئیے۔ کہیئے۔ آج اس طرف مالک کیسے بھول کر آگئے ؟ " رامائے دل پر چوٹ لگی۔ اس نے شرمندہ ہو کر کہا۔ " ایشور جانتا ہے کہ میں گھر کے کاروبار میں پھنسا رہتا ہوں کہ کسی وقت فرصت ہی نہیں ملتی "

اس کا کچھ جواب نہ دے کر دُرگا نے پریما کو آواز دی۔ " بیٹی ذرا دیا جلا دے۔ مالک اندھیرے میں کھڑے ہیں "

" جگن کو آج تک کسی نے جگن بابا کہکر نہیں پکارا تھا۔ وہ فرطِ جوش سے بیتاب ہو گیا اور دوڑ کر دیوان جی کا پاؤں چھو لیا۔ مقدریا نے مہاراج کے قدموں پہ سر جھکا دیا۔ اس وقت دیوان جی یا مہاراج کو اس بات کا خیال بالکل

نہیں تھا کہ چماروں نے ان کا پاؤں کیوں چھولیا۔ اس وقت ان کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے یہ آنسو خوشی کے تھے رنج یا حقارت کا ان میں کوئی نشان نہ تھا۔ اس وقت نیچ اور اونچ کا سوال نہ تھا یہ پریم ملاپ تھا۔ سمتا پاسی کے ساتھ ہی سب لوگ یکبارگی چلا اٹھے۔ "جگن بابا کی جے!"

آغا حیدر حسن دہلوی

آپ دہلی کی نسائی زبان لکھنے میں بہ نسبت اور فسانہ نگاروں کے ممتاز حیثیت رکھتے ہیں اور آپ کو عورتوں کے محاورات استعمال کرنے میں کافی دسترس حاصل ہے۔ اکثر واقعات تاریخ کی روشنی میں پیش کرتے ہیں۔ روسی فسانوں کی طرح آپ کے فسانوں میں بھی پلاٹ کوئی اہمیت نہیں رکھتا، کسی ایک واقعہ کو بیان کیا جاتا ہے لیکن جو کچھ بیان کیا جاتا ہے مکمل ہوتا ہے۔ طرز ادا بے حد دلکش اور ساتھ ہی ساتھ نقادانہ ہوتا ہے۔ کردار نگاری کسی حد تک اور منظر نگاری زیادہ حد تک پائی جاتی ہے آپ کی تحریر کے نمونے ملاحظہ ہوں

"ساون کا مہینہ۔ بلا کا حبس۔ کلو کو دھیانگی اٹھانے کی تلا توپ پڑی۔ پندرہ دن کا میلا چیکٹا کرتا پسینے میں شور بشور۔ گریبان کھلا۔ بازوؤں تک آستین بنی ہوئی چڑھیں۔ ننگے سر، جوڑا بندھا۔ آڑا اگا بی پائجامہ۔ مارے پسینہ کے جگہ جگہ دھبے پڑے۔ موریاں کہیں گھیر کہیں۔ پنڈلیوں پر کی نیچے کی سیون گھوم کر اوپر آئی۔ کان میں کندلے کی ایک ایک بالی۔ جس میں سوکھے پھول مولسری کے بھرے۔ خیلہ خبطیوں کی سی وضع، کارخانے پہ بیٹھی۔ سامنے بادلے کے تار تنے۔ جھپا جھپ، جھپا جھپ ہاتھ چل رہا۔ اور دونوں پاؤں کے انگوٹھے باری باری سے اوپر، نیچے ہوتے جاتے۔ جیسے بھی ہو چراغوں جلے تک ٹھپے کا تھان اتارے۔ کہ اتنے میں، کھڑکی والی ہمسائی نے کوٹھے پہ سے آواز لگائی "وی بوا صدر حمت! بھلا یہ بھی کوئی کام کا وخت ہے"

"جب اس شہد پن اور دھینگا مشتی سے تھک کے ہلکان ہو گئیں۔ شربت کے لوٹے ڈال، پاک وصاف کپڑے پہن، دروں دالانوں میں جا بیٹھیں۔ چھت کی کھڑکیوں، بلیوں، قلابوں میں جھولے پڑے، کوئی تکیہ رکھ، کوئی پٹڑی، ان پہ جا ٹنگیں۔ ننھی نیندانوں نے گانا شروع کیا

"ماں آڑو جامن گھلے دھرے۔ ماں میں نئیں کھاتی میری ماں۔ ماں کپڑوں کی بقچی کھلی دھری، ماں میں نئیں پہنتی میری ماں۔ ماں تتا پانی گرم دھرا۔ ماں میں نئیں نہاتی میری ماں، ماں مسی کی ڈبیا کھلی دھری، ماں میں نئیں ملتی میری ماں، ماں سرمہ دانی کھلی دھری، ماں میں نئیں لگاتی میری ماں، ماں ساجن آئے لینے کو۔ ماں میں نئیں جاتی میری ماں"

امتیاز علی تاج

آپ طبع زاد افسانے شاذ و نادر ہی لکھتے ہیں۔ طرز بیان سادہ، عام فہم اور سلیس ہوتا ہے جہاں تک میرے

مطالعہ کو دخل ہے میں یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ تقریباً جتنے افسانے آپ کے اب تک شائع ہوئے ہیں۔ ان میں معدودے چند ہی طبزاد ہیں۔ اور ان کو دیکھ کر آپ کے کسی خاص طرزِ نگارش (Style) کا پتہ نہیں چلتا۔ چونکہ فسانے ترجمہ ہوتے ہیں اس لئے ان میں اصل مصنف کا رنگ موجود ہوتا ہے۔ طبزاد افسانوں کی عبارت موثر اور کسی قدر دلچسپ ہوتی ہے لیکن پلاٹ بہت ہی معمولی اور دلچسپی سے خالی ہوتا ہے۔ کردار نگاری میں آپ کی نظر زیادہ وسیع نہیں معلوم ہوتی۔ آپ کی تحریر کے نمونے حسب ذیل ہیں

" اس طرح وہ انتقام اور خون اور قوت اور جنون کی دنیا میں سانس لے لے کر جوان ہوئی تھی۔ اور اُسے کبھی معلوم نہ ہو سکا تھا کہ اس کے متناسب اور بھرے بھرے جسم کی دلفریبیاں، ریشم کے رنگین اور باریک پیرہن میں کیا عالم افروز شعلہ بن کر بھڑک سکتی ہیں۔ اور معطر بستر پر، صرف اپنی دوشیزگی کے سوچ میں نیم دراز ہو جانے اور سیاہ اور رقیق آنکھوں کو جھپکا لینے سے کیسی قیامتیں برپا کر سکتی ہے۔ اس کو جھجکنے اور شرمانے، مان لینے اور پسینہ پسینہ ہو جانے کی تعلیم نہ دی گئی تھی۔ اس کے باپ نے اس کے شباب کو لوہے اور شعلوں میں ڈھالا تھا۔ اور کچل دینے اور مسل ڈالنے کا سبق پڑھایا تھا۔ صحرا کے وسیع میدانوں میں اس کا بیقرار گھوڑا، ہنہنانا اور قبیلہ کے شمشیر آزماؤں کی تلواروں پر اس کی تلوار سے چنگاریاں جھڑتیں اور ہر روز، جب وہ اپنے کارناموں میں کسی تازہ فتح کا اضافہ کر کے گھر لوٹتی، تو اس کا باپ ایک فخریہ تبسم سے خود اس کو گھوڑے پر سے اتارتا۔ اور مسکرا کر اس کے کان میں کہتا۔ " صحرا کا لڑکا اب چپ رہتا ہے: اور غیادر کا نام سُن کر، اس کی زبان اپنے الفاظ بھول جاتی ہے " اور پھر اس کی خون آلود۔ تلوار اس سے لے لیتا۔ اور پھر اس پر سے خون پونچھا کرتا اور اُسے اتنا چمکا دیتا۔ کہ اس کے دانتوں کا عکس اس میں نظر آنے لگتا "

اب ایک بھیانک خیال نے اس کے دماغ پر تابو پالیا۔ میرے پاس دو لاکھ فرانک نوٹوں میں ہیں۔ بے ایمانی سے آئے سہی۔ ہیں تو میرے۔ اور میں انھیں نہیں لے سکتا۔ ان کے پیچھے پانچ سال کی قید بھگتی۔ اب انھیں چھو نہیں سکتا۔ نوٹ میری راہ تک رہے ہیں۔ ایک لفظ صرف ایک جو یاد نہیں آتا۔ مجھ میں اور ان میں دیوار بن گیا ہے "

پریم چند

آپ اُردو کے چند بہت بلند پایہ فسانہ نگاروں میں ہیں۔ آپ کی تحریروں میں اوریجنلٹی (Originality) اور جدت ہوتی ہے۔ طرز بیان، سادہ، سلیس، عام فہم ہونے کے علاوہ جادو کی طرح اثر کرنے والا ہوتا ہے پلاٹ نہایت دلچسپ اور نتیجہ خیز ہوتا ہے جس پر فسانہ کی تعمیر کی جاتی ہے۔ محاورے نہایت موزوں اور برمحل ہوتے ہیں۔ تشبیہ اور استعارات بھی رنگین ہوتے ہیں۔ کردار نگاری میں مہارت تامہ حاصل ہے۔ عموماً دیہاتی زندگی اور معاشرت آپ کے فسانوں

کا مقصد ہوتا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ اس معاشرت اور اس زندگی میں جو نقائص ہیں ان کی اصلاح بھی مدِ نظر رکھتے ہیں۔ یہی آپ کے فسانوں کی سب سے بڑی خوبی ہے۔ مشرقی اور خصوصاً ہندوستانی تہذیب و تمدن کے پرستار معلوم ہوتے ہیں اور انھیں کو فسانوں میں بھی سراہتے ہیں۔ نمونے ملاحظہ ہوں

" کنور صاحب کے دل میں پنڈت جی کی طرف سے جو بدگمانی اور کدورت تھی وہ بہت کچھ مٹ گئی، مگر انھوں نے ہمیشہ سختی اور ظلم سے کام لینا سیکھا تھا۔ انھیں اصولوں کے وہ قائل تھے، انصاف اور سچائی اور ملائمت کی انھوں نے کبھی آزمایش نہیں کی۔ اور ان پر ان کا بالکل اعتقاد نہ تھا۔ مگر آج انھیں صاف نظر آرہا تھا کہ سچائی اور نرمی میں بڑی طاقت ہے "

" وسودھا نے اسی انداز سے پھر پوچھا۔ " اگر وہ تجھے بٹھا کر کھلاتا تب تو، تو اس کی دھونس سہتی " منیا جیسے لڑنے پر آمادہ ہوگئی۔ بولی۔ " بٹھا کر کوئی کیا کھلائے گا سرکار۔ مرد باہر کام کرتا ہے تو ہم بھی گھر میں کام کرتے ہیں۔ یا گھر کے کام میں کچھ محنت نہیں کرنی پڑتی۔ باہر کے کام سے تو رات کو چھٹی مل جاتی ہے۔ گھر کے کام سے تو رات کو بھی چھٹی نہیں ملتی۔ مرد یہ چاہے کہ مجھے گھر میں بٹھا کر آپ سبر سپاٹے کرتا پھرے تو مجھ سے تو برداشت نہ ہوگا "

" ماں ایک قدم پیچھے ہٹ کر بولی۔ " نہیں بابو جی۔ رہنے دیجئے۔ میں گریب (غریب) ہوں، لیکن بھکارن نہیں ہوں "

" یہ بھیک نہیں ہے۔ بچوں کی مٹھائی کھانے کے لئے ہے "

" نہیں بابو جی! "

" مجھے اپنا بھائی سمجھ کر لے لو "

" نہیں بابو جی۔ جس سے بیاہ ہوا۔ اس کی مرجا بھی تو میرے ہی ہاتھ ہے بھگوان تمھارا بھلا کریں۔ اب چلے جاؤ۔ نہیں دیر ہو جائے گی "

میں دل میں اتنا خفیف کبھی نہ ہوا تھا۔ جنھیں میں جاہل، گوار باطن، بیخبر سمجھتا تھا اسی طبقہ کی ایک معمولی عورت میں یہ اعلےٰ خودداری، یہ فرض شناسی، یہ توکل۔ اپنے ضعف کے احساس سے میرا دل جیسے پامال ہوگیا۔ اگر تعلیم فی الاصل تہذیبِ نفس ہے اور محض اعلیٰ ڈگریاں نہیں۔ تو یہ عورت تعلیم کے معراج پر پہونچی ہوئی ہے "

ج
جلیل قدوائی

آپ اُردو کے وہ تنہا فسانہ نگار ہیں، جنھوں نے روسی طرزِ نگارش (Style) اختیار کیا ہے۔ اور یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ آپ اس رنگ میں بہت حد تک کامیاب بھی ہوئے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے "چیخوف" کا بہت عمیق مطالعہ کیا ہے اور "موپاساں" کا بھی۔ چنانچہ آپ کے طبعزاد فسانوں میں بھی۔ انھیں دونوں مصنفوں کا رنگ جھلکتا ہے

"جلیل اپنی کہانیوں میں چیخوف کے بہت قریب پہونچ گئے ہیں۔" جیسا کہ مولوی عبدالحق صاحب: بی۔ اے مدیر "اُردو" نے فرمایا ہے۔ اور یہ بالکل صحیح ہے پلاٹ ایک سرے سے مفقود ہوتا ہے البتہ کردار نگاری خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ طرزِ بیان، نہایت سلیس، سادہ اور عام فہم ہوتا ہے آپ کے فسانے بھی چیخوف کی طرح روزمرہ زندگی کے کسی خاص پہلو پر روشنی ڈالتے ہیں۔ اور ان میں مسرت اور غم دونوں شامل ہیں۔ آپ کے فسانوں کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ انسانی زندگی سے آپ کو خاص دلچسپی ہے اور آپ انسانی فطرت کا بغور مطالعہ کرتے ہیں۔ نمونے ملاحظہ ہوں

"اُسے یاد تھا کہ اس کے باپ کے گھر میں کبھی ایک دیہات کی چڑیا کمرے کے اندر آجاتی تھی اور باہر نکلنے کی کوشش میں، وہ شیشہ دار کھڑکیوں سے ٹکرا ٹکرا کے کمرہ کی تمام چیزوں میں انتشار اور گڑبڑ پیدا کر دیتی تھی —— اسی طرح یہ عورت بھی، اس کی زندگی کے کمرہ میں ایک غیر خاندان سے اڑ کر چلی آئی تھی۔ اور اس نے اس کے مکانِ عافیت میں ابتری پیدا کر رکھی تھی۔ اس کی زندگی کے بہترین ایام گویا جہنم میں گذارے گئے تھے۔ اس کی حوصلہ اور مسرت سے بھری ہوئی اُمیدیں منہدم ہوگئی تھیں۔ اس کی تندرستی برباد تھی۔ اس کے کمرے، بے ترتیب، اور گڑبڑ پیدا کرنے والی فضا، طوائفوں کے کمروں کا نمونہ تھے۔ اپنی دس ہزار کی سالانہ آمدنی سے، وہ اپنی ماں کے لئے، جو ضعیفی کے ایام گاؤں میں کاٹ رہی تھی۔ دس روبل بھی نہ بچا سکتا تھا۔ اور پندرہ ہزار سے زاید اس کا قرضہ تھا۔ اُسے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اگر اس کے گھر میں ڈاکوؤں کا ایک مستقل گروہ رہتا تو بھی اُسے اتنا نقصان نہ پہونچتا جس قدر بربادی اس نے اس عورت کے ہاتھوں اٹھائی تھی"

"کچھ قدم کے فاصلے پر وہ دیوار سے لگا خراٹے لے رہا تھا۔ اس کی ناک پر ایک مچھر بیٹھا ڈنک مار رہا تھا۔ لیکن اُسے سوتے میں کچھ خبر نہ تھی۔ اس کا چہرہ بشاش معلوم ہوتا تھا شاید وہ خواب میں دیکھ رہا تھا کہ بستی کے تمام لوگ کھانسی میں مبتلا ہیں۔ اور اس کی دوکان سے دوا خریدنے آئے ہیں"

(خ)
حامد اللہ افسر میرٹھی

آپ کے فسانے عموماً ماخوذ اور ترجمہ ہوتے ہیں۔ طرزِ بیان عام فہم اور سادہ ہوتا ہے۔ مگر کوئی دلکشی نہیں ہوتی۔ پلاٹ کسی قدر دلچسپ ہوتا ہے لیکن کردار نگاری میں بہت نقص پائے جاتے ہیں۔ محبت کی چاشنی بھی عموماً ہر فسانے میں موجود ہوتی ہے۔ لیکن آپ کے فسانوں میں نہ تو کوئی جدت ہوتی ہے نہ آپ سماجی اصلاح مدنظر رکھتے ہیں، نہ زندگی کے کسی خاص فلسفہ کو بیان کرتے ہیں، یعنی روزمرہ زندگی کے واقعات سے اس قدر گہرے اور مفید نتائج نکالنے کی اہلیت نہیں رکھتے جو بعض اور فسانہ نگاروں میں موجود ہے۔ مختلف نمونے ملاحظہ ہوں

"آخر میں نے فیصلہ کرلیا کہ مجھے شراب پینی چاہیئے، شاید اسی سے غم غلط ہو جائے۔ شاید میں خالدہ کو بھول جاؤں مگر یہ بھی میں نہ چاہتا تھا۔ میں تو اس تاریکی کو دور کرنا چاہتا تھا۔ جو میرے حواس پر مسلط ہوگئی تھی۔ خالدہ سے اگر مجھے محبت تھی۔ تو اس محبت کو میرے دل کے لئے ذریعۂ شادمانی و مسرت بنجانا چاہیئے تھا۔ پس میرے موجودہ رنج و ملال کا سبب خالدہ کی محبت نہ تھی، بلکہ نعیم کی رقابت اور چچا میاں کے انکار سے اپنی تذلیل کا احساس تھا ان دونوں چیزوں کا اثر زایل کرنا ضروری تھا اور مجھے پختہ یقین تھا کہ شراب مجھے اس مصیبت سے نجات دلائے گی"

"اس وقت ان کا سارا بدن لرز رہا تھا۔ آنکھیں اُبل آئی تھیں منہ خشک ہو کر کھُل گیا تھا، ایسی عجیب ہیئت کس کی نظر اپنی طرف نہ کھینچ لیتی۔ اب گاڑی پانچی سے گزر چکی تھی۔ اور گذشتہ شب قتل کا واقعہ پانچی اور ہاپوڑ کے درمیان ہی ہوا تھا۔ درجہ کا دوسرا مسافر ذرا سنبھل کر بیٹھا۔ بیگ کھول کر اس میں جھانکا۔ پھر بیگ بند کر دیا۔ داہنا ہاتھ کوٹ کی جیب میں ڈال لیا۔ اس وقت گنیش بہاری کے حواس قطعاً معطل ہو چکے تھے، انھیں چند منٹ سے زیادہ اپنی زندگی کی امید نہ تھی وہ ہر لمحہ اس انتظار میں تھے کہ اب کوٹ کی جیب سے ہاتھ نکال کر میری روح کو تن سے جدا کیا جائے گا"

(خ)
خواجہ مسعود علی ذوقی، بی۔ اے

"آپ کے تمام افسانوں میں ایجینلیٹی ہوتی ہے۔ اکثر و بیشتر اپنے ہی واقعات اور مشاہدات بیان کرتے ہیں پلاٹ عموماً دلچسپ ہوتے ہیں۔ فسانوں میں روزمرہ زندگی کے ساتھ ساتھ سوسائٹی اور معاشرت پر نقادانہ نظر ڈالتے ہیں۔ طرزِ بیان بہت دلکش ہوتا ہے کردار نگاری کی طرف بھی خاص توجہ رکھتے ہیں۔ آپکے فسانوں کی سب سے بڑی خصوصیت منظر کشی ہے۔ ہر موقع اور مقام کو اس خوبصورتی سے بیان کرتے ہیں کہ آنکھوں کے سامنے اصل چیز، اصل موقع اور مقام پھرنے لگتا ہے، محاورات اور تشبیہات سے بھی عبارت کو رنگین بنانے کے عادی معلوم ہوتے ہیں۔ مختلف نمونے ملاحظہ ہوں

" اس کے علاوہ، آزادی، انسان کا پیدائشی حق ہے، خواہ وہ روحانی آزادی ہو۔ خواہ جسمانی، خواہ مذہبی، اچھا اسے جانے دیجئے۔ یہ جو عجیب وغریب قانون تراشے گئے ہیں۔ کہ فلاں مذہب کے لوگ صرف فلاں مذہب کے لوگوں سے شادی کرسکتے ہیں۔ یہ بھی کتنی مہمل اور لغو بات ہے۔ میرے نزدیک تو یہ رکاوٹ سراسر ظلم ہے۔ ایسا ظلم، جسے کھینچ تان کر مذہبی اصول کے حدود میں گھسیٹ لیا گیا ہو۔ یہ خیال کرتے کرتے، مجھے ہندو مسلمانوں کی موجودہ خانہ جنگیوں پر ایسا شدید صدمہ ہونے لگا جیسے کسی نے تان کر دل پر زور سے گھونسہ رسید کر دیا ہے۔ ان جھگڑوں پر میرا دل ہمیشہ دکھتا تھا۔ لیکن ایمان کی بات یہ ہے کہ جتنا رنج مجھے اس وقت ہوا۔ اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا "

" میں نے زہر پی لیا ہے " اسد نے جھنجھلا کر کہا۔ " مجھے اس کمرہ میں تنہا چھوڑ دو۔ خدا کیلئے مجھے سکون اور اطمینان سے مرنے دو "
اسد کی بیوی کے چہرہ پر سفیدی چھا گئی۔ وہ اپنے بال نوچتے ہوئے دھڑام سے فرش پر ڈھیر ہوگئی۔ چھوٹے بچوں نے کمبل کی تہوں میں اپنا منہ چھپا لیا۔ طلعت اور احمد صدمہ کی وجہ سے اپنے باپ کی چارپائی پکڑتے ہوئے، گھٹنوں کے بل زمین پر گر پڑے۔ ماماؤں اور چھوکروں نے ڈھاڑیں مار مار کر سارا کمرہ سر پر اٹھا لیا ——— عین اسی وقت جبکہ یہاں یہ ہنگامہ برپا تھا۔ برآمدہ کے پتھروں پر فوجی بوٹ کے کھٹ کھٹ کی آواز سنائی دی اور ایک لمحہ میں ایک لانبا تڑنگا، مضبوط اور تنومند جوان، جو فوج کی پوری وردی پہنے ہوئے تھا، چاندی کی شام کا ایک چھوٹا سا بید ہلاتا ہوا، بے پروائی کے انداز میں اندر داخل ہوا، اسے دیکھتے ہی اسد کی بیوی لڑکھڑاتی ہوئی اٹھی اور دوزانو ہو کر اس کے قدموں سے لپٹ گئی

" انھوں نے زہر پی لیا ہے " اس نے رو رو کر سسکیاں لیتے ہوئے کہا۔ " انھوں نے اپنی جان دینے کی ٹھان لی ہے ——— دیکھو میں نہ کہتی تھی۔ انکے ہوش وحواس ٹھیک نہیں۔ للہ انھیں بچاؤ ——— شاہد بھائی، ڈاکٹر ——— کسی ڈاکٹر کو بلاؤ "

" اسی کے بعد میں، ایک پُرغور فلسفی کی طرح عورتوں کی ناقص تعلیم کے اسباب وعلل پر نظر ڈالنے لگا۔ پھر میں نے اپنے دل میں کہا کہ اس میں بیچاری عورتوں کا کیا قصور ہے۔ ساری خطا تو ان تاریک خیال متعصب مردوں کی ہے جو اپنی عورتوں کو صحیح تعلیم وتربیت دلانیکے بجائے، انھیں پالتو چڑیوں کی طرح گھر کے پنجرو تمیں بند رکھتے ہیں کیا اندھیر ہے کہ جہالت کے ہاتھوں سیکڑوں بے تکے رواج روز بروز پیدا ہوتے جائیں لیکن کوئی کروٹ تک نہ لے "

(س)

رفیعی اجمیری

آپ عہدِ حاضر کے نوجوان فسانہ نگاروں میں اچھے اور کامیاب فسانہ نگار ہیں یعنی آپکے فسانوں میں " افسانویت " زیادہ حد تک پائی جاتی ہے۔ فسانوں کے پلاٹ بہت دلچسپ اور خصوصاً نتیجہ خیز ہوتے ہیں۔ آپکا طرز بیان دلکش اور موثر ہوتا ہے۔ عبارت علم فہم ہونیکے ساتھ ساتھ رنگینیوں سے لبریز ہوتی ہے جدت آپکی سرشت میں پائی جاتی ہے۔ اور اس لحاظ سے ہر فسانہ کسی نہ کسی " جدت " کا ضرور حامل ہوتا ہے اور بحیثیت کے لحاظ سے بھی آپ بہت ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔ کردار نگاری میں آپ کو خاص ملکہ ہے۔ آپ کے فسانے تمام تر مشرقی

جذبات و تمدن اور تہذیب سے معمور ہوتے ہیں۔ تشبیہ اور استعارات کثرت سے استعمال کرتے ہیں لیکن یہ کثرت لطف سے خالی نہیں ہوتی۔ فارسی اور اُردو اشعار سے عبارت میں شعریت پیدا کرتے جاتے ہیں۔ طرزِ بیان میں تنوع پایا جاتا ہے۔ اور آپ کے تقریباً تمام فسانے اپنے اندر "حُسن و عشق" کے مناظر مستور رکھتے ہیں۔ مگر اس "محبت" کے پردہ میں آپ زندگی کے بڑے بڑے فلسفے اور رموز بیان کر دیتے ہیں۔ جن میں اصلاحی عنصر بھی جھلکتا ہے۔ مجموعی طور پر آپ کے فسانوں کو دیکھ کر یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ ایک خالص مشرقی فسانہ نگار ہیں۔ جو نہ صرف مشرقی تہذیب و تمدن کا شیدائی ہے بلکہ اس کی تبلیغ بھی کرنا چاہتا ہے۔ اکثر فسانوں میں اشتراکیت کی حمایت کرتے ہیں۔ اور زر پرستی کے خلاف احتجاج بھی ہوتا ہے

ایک اور خصوصیت آپ کے افسانوں میں "تکرار" ہے اور اس "تکرار" میں آپ جو لطف پیدا کرتے ہیں، وہ قابل ستایش ہے۔ ہندوستانی "فلسفۂ محبت" کو جس خوبی سے بیان کرتے ہیں وہ آپ ہی کا حصہ ہے۔ منظر کشی پر بھی کافی عبور حاصل ہے۔ آپ کی تحریر کے مختلف نمونے ملاحظہ ہوں

"عشق و محبت کے واقعات اکثر و بیشتر رشتہ داروں ہی میں ہوتے ہیں۔ عام طور پر چچا زاد، خالہ زاد، بہن بھائیوں میں پردہ نہیں ہوتا۔ اور اصلی خرابی کی بنیاد یہیں سے پڑتی ہے "محبت بہ یک نظر" کی شاذ و نادر صورت کو چھوڑ کر، عموماً محبت، روزانہ کے میل ملاپ، نشست برخاست، دید باز دید سے بڑھتی ہے۔ اور پرورش پاتی ہے اور یہ موقعہ صرف عزیز داری کی صورت میں میسر آسکتا ہے۔ اگر سوسائٹی محبت کو ایسا سخیف جرم سمجھتی ہے تو اسے چاہئے کہ ان عزیزوں سے سخت پردہ کا قانون رائج کرے۔ ممکن ہے، یہ رائے اس زمانہ میں، جبکہ خود پردہ ہی اعتراض کی آماجگاہ بنا ہوا ہے، عجیب معلوم ہو، لیکن اگر محبت کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ تو پھر یہ پابندی سخت ناگزیر ہے مگر مصیبت یہ ہے کہ نہ یہ پابندیاں عائد کی جاتی ہیں۔ نہ محبت کی اجازت ملتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ محبت ہوتی ہے اور خوب ہوتی ہے۔ لیکن چونکہ اس محبت میں سوائے ناکامی کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اس لئے دو معصوم زندگیاں ہمیشہ کے لئے تباہ و برباد ہو کر رہ جاتی ہیں۔ زمانہ کی ہوا بدل رہی ہے۔ لڑکے اور لڑکیاں جدید تعلیم سے بہرہ یاب ہو رہی ہیں۔ تعلیم نے ان کو ہر قسم کی سہولتیں بہم پہونچا دی ہیں۔ سوسائٹی نے یہ اجازت تو دیدی ہے لیکن کس قدر حیرت کی بات ہے کہ محبت کا راستہ ابھی تک ان کے لئے مسدود ہے"

"دو معصوم شرارت مآب آنکھیں، لبوں کا ایک شوخ تبسم، بشرہ کا رم خوردہ انداز ——— اور نعیم کے سینے میں دفعتہً ایک ہنگامہ خیز ہلچل مچ گئی۔ اس کے تمام دبے ہوئے جذبات، اس کے تمام سوئے ہوئے حسیات ایک دم سے بیدار ہو گئے۔ بھڑک اٹھے۔ افقِ خیال پر دو آنکھیں ستاروں کی طرح چمک رہی تھیں، ہونٹ قاتل انداز

میں سکڑ رہے تھے۔ اور دنیا کے سارے شور و غل کو سکوتِ مطلق میں تبدیل کرتی ہوئی یہ آواز آ رہی تھی "واہ اب یہ میرا ہو چکا"
آفتاب کی تمازت، فضا کی تپش، گاڑیوں کی گھڑ گھڑاہٹ، راہ گیروں کی گفتگو، خرید و فروخت کی چیخ پکار، سڑک کا شور و غل، اور پھر آخر میں دفتر کی خاموش فضا، سب مل کر، سب ایک ہو کر، ایک ہی مختصر جملہ بناتی ہوئی معلوم ہوتی تھیں۔ "واہ یہ اب میرا ہو چکا"

"صد حیف" حامد نے مزاحی سنجیدگی سے قطع کلام کیا۔ "وہی سرمایہ پرستی، خدائے زر کی پرستش، بتائے کعبہ کو ڈھا دینے پر آمادہ ہوتی جا رہی ہے۔ سرمایہ داری دنیا میں سب سے بڑی لعنت ہے، اسی نے بندہ و خواجہ، غریب و امیر، مزدور و آقا، شریف و رذیل کا فرق پیدا کیا ہے۔ اور ایک انسان کو اُس کے ہی جیسے دوسرے انسان پر، برتری دیدی ہے، حالانکہ بارگاہِ خداوندی میں "محمود و ایاز" دونوں کو ایک ہی درجہ حاصل ہے۔ دنیا کی ساری خرابیاں اسی سرمایہ نے پیدا کی ہیں"

(۳۵)

سُدرشن

آپ کے فسانے تمامتر طبعزاد ہوتے ہیں۔ پلاٹ بنانے میں مہارت رکھتے ہیں معمولی سے معمولی فسانے کا پلاٹ، دلچسپ اور لطف آمیز ہوتا ہے اندازِ بیان بہت سادہ اور عام فہم ہوتا ہے۔ روزمرّہ کا زیادہ استعمال کرتے ہیں۔ عبارت میں رنگینی یا دلکشی نہیں ہوتی، نہ مؤثر ہوتی ہے۔ الفاظ کے انتخاب پر زیادہ توجہ نہیں کرتے۔ بعض اوقات ہندی اور سنسکرت کے بہت موٹے موٹے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ جو عام فہم نہیں ہوتے۔ کردار نگاری بہتر ہوتی ہے۔ عموماً سوشل و معاشری فسانے لکھتے ہیں۔ دیہاتیوں کی غلط اُردو کا بھی خوبی سے استعمال کرتے ہیں۔ ایک نقص جو آپ کے فسانوں میں نمایاں ہے وہ یہ کہ اکثر فسانوں میں قومی تعصب کا رنگ نظر آتا ہے۔ مختلف نمونے ملاحظہ ہوں

"گجری نے لسّی، چاول اور گنڈیریوں سے چاند کو راگھ دیا۔ اور دونوں ہاتھ باندھ کر صدقِ دل سے شوہر کی سلامتی کے لئے پرارتھنا کی۔ اس وقت اُسے چاند مسکراتا ہوا دکھائی دیا۔ جیسے اُسے اشیرباد دے رہا ہے۔ جیسے اس سے کہہ رہا ہے۔ تم ناحق گھبرا رہی تھیں۔ اب گجری کو ایسا معلوم ہوتا تھا گویا ہوا میں تیر رہی ہے۔ اس کے منہ سے ہنسی پھوٹ پھوٹ کر نکلتی تھی۔ گجری رو سکتی تھی، مگر ہنسی رُکتی نہ تھی"

"کھوشیا نے آنکھیں نچا کر کہا۔ "ڈاکو معلوم ہوتا ہے۔ دیکھ لینا کسی دن گرپتار ہو جائے گا۔" چودھری حقہ پی رہا تھا۔ کھانستے ہوئے روشنی کی طرف چلم بڑھا کر بولا۔ "یہ تمہاری کھام کھیالی ہے آدمی پُرا نہیں معلوم ہوتا۔ جرور بھاگوان ہے

اپنے کام سے ادھر آنکلا ہے چار دن رہ کر چلا جائے گا"

رونقی نے چلم پر کوئلہ ٹھیک کرتے ہوئے کہا۔ "برا نہ ہوتا تو آتے ہی اس چھوکری کا منہ کیوں باندھ دیتا۔ ہمارا منہ تو کسی بھڑوے نے نہ باندھ دیا۔ کھو بصورت منہ دیکھ کر پھسل پڑا"

سلطان حیدر جوش

آپ کے فسانے عموماً طبعزاد ہوتے ہیں۔ پلاٹ دلچسپ اور عبارت بہت بلند پایہ ہوتی ہے طرز بیان نہایت رنگین اور بعض وقت بہت دلکش ہوتا ہے۔ محاورات اور تشبیہات کثرت سے استعمال کرتے ہیں۔ عربی اور فارسی ترکیبیں زیادہ اور انگریزی ترکیبیں بھی ہر فسانے میں موجود ہوتی ہیں۔ جابجا اردو اور فارسی شعر لکھ کر مفہوم ادا کرنے کے عادی معلوم ہوتے ہیں۔ ہندو مسلم اتحاد کے گرویدہ نظر آتے ہیں۔ فسانوں میں، سیاسیات پر بھی ناقدانہ نظر ڈالتے ہیں۔ کردار نگاری میں ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔ البتہ مشکل نگار واقع ہوئے ہیں۔ عام فہم اردو نہیں ہوتی۔ نمونے ملاحظہ ہوں

"سلیم اور جانکی میں، محویت شباب کے علاوہ کوئی چیز مشترک تھی تو صرف یہ کہ دونوں تعلیم یافتہ تھے۔ اور دونوں مذہب کی ظاہر پرستی سے متنفر ایک قدآور سخت گیر اور سیماب طبع نوجوان تھا۔ تو دوسری سبک اندام، نکتہ حس، اور کم سخن نازنین۔ ایسی دو شخصیتوں کا اتصال مستقل، حلقۂ احباب و تعارف میں، اجتماع ضدین سمجھا جاتا تھا — مگر میکدۂ مجاز کو، ترتیب دینے والا ساقیٔ حسن، ہمیشہ عقل آرائی کے تانے بانے کو محض ایک جرعۂ جذبات مخمور سے، تار عنکبوت کی طرح توڑ ڈالنے کا عادی و عامل رہا ہے۔ سلیم نے ہمیشہ کے لئے جانکی کو اپنی آغوش شوق میں لے لیا۔ اور جانکی بلا تامل اس کے سینے سے پیوست ہو گئی"

اس اجمال کی تفصیل میں، ایک تحقیقاتی کمیشن کی خدمات حاصل ہو جانے پر بھی ایک مالوی پنڈت اور لاہوری میاں کے باہم دست و گریباں رہنے کا شبہ قوی باقی رہے گا۔ مختصر یوں سمجھئے کہ جس طرح آفتاب کی شعاع شبنم کو چن لیتی ہے اسی طرح سلیم اور جانکی بھی باہم گرپیوست ہو گئے ——— یہ بھی تشفی بخش نہ ہو تو سلیم اور جانکی کے اتصال پر ہز ہائنس آغا خان یا مسٹر محمد علی جناح کی رائے طلب کی جا سکتی ہے۔ فی الحقیقت اس سے زیادہ کیا کہا جائے کہ ؎

پر پروانہ شاید بادبانِ کشتیٔ مے تھا ہوئی مجلس کی گرمی سے روانی دور ساغر کی

"کیا اسی زائل ہو جانے والی خواہش نفسانی کو تم محبت کہتے ہو؟ کیا اسی ایک معمولی سے ہوا کے جھونکے سے ٹھنڈا ہو جانے والے ٹمٹماتے ہوئے چراغ کو تم شعلۂ محبت بناتے ہو۔ غلط بالکل غلط۔ محبت وہ درد ہے جو کسی دوا سے بھی زائل نہیں ہو سکتا۔ محبت وہ کشش ہے جو عامل تک کو، قوتِ کشش میں جذب کر دیتی ہے۔ یہ وہ حقیقی جذبہ ہے جو ہر دماغی اور جسمانی قوت کو سلب کرنے کے ساتھ، حبیب کو محبوب اور محبوب کو حبیب بنا کر بھی کم نہیں ہوتا۔ اپنی زوال پذیر خواہش

اور چشم زدن میں معدوم ہو جانے والے جوش کو محبت نہ کہو، یہ محبت سے کوئی تعلق نہیں رکھتا "

(ع)

(میاں) عبد العزیز (فلک پیما)

اُردو فسانہ نگاروں میں، جہاں تک میں نے مطالعہ کیا ہے، مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ ہی ایک وہ واحد فسانہ نگار ہیں، جن کی تحریروں اور فسانوں میں فلسفیانہ رنگ زیادہ نمایاں ہوتا ہے۔ اور آپ جو کچھ تحریر فرماتے ہیں وہ بہت غور و تحقیق کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے، فسانوں میں پلاٹ کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ صرف واقعات اور کردار نگاری قابلِ ذکر ہوتی ہے، ہر کردار کو فلسفی اور ہر بات کو فلسفیانہ طرز سے بیان کرتے ہیں۔ ٹیگور کا رنگ بھی کہیں کہیں موجود ہوتا ہے، عبارت سادہ اور سلیس ہوتی ہے۔ لیکن ان کا مطلب اکثر پیچیدہ ہوتا ہے اور اس لئے عام فہم نہیں ہوتا۔ جو کچھ تحریر فرماتے ہیں کسی خاص مقصد کے تحت ہوتا ہے اور اس سے عوام الناس کو نصیحت دینا منظور ہوتا ہے، انگریزی طرزِ نگارش زیادہ غالب نظر آتا ہے اکثر اوقات بعض مطالب کو ادا کرنے کے لئے اُردو کے بجائے انگریزی الفاظ بھی استعمال کرنے سے عار نہیں کرتے، اس سے عبارت میں ایک بدنمائی پیدا ہو جاتی ہے، افسانوں میں عموماً اصلاحی اور معاشرتی پہلو کو لیتے ہیں، اور نقائص کو بیان کر کے ان کو رفع کرنے کی کوشش کرتے ہیں، خیالات بہت عمیق ہوتے ہیں۔ زبان اکثر پنجابی ہوتی ہے۔ نمونے ملاحظہ ہوں

" جب دوسرے فریادی نے شہزادی کا یہ حکم سُنا تو وہ شہزادی کے پاؤں پر گرا اور اس نے عرض کی۔ کہ جان کی امان ہو تو تمام واقعہ بلاکم و بیش عرض کر دوں۔ پھر جو حضور کا مزاج چاہے حکم دیں۔ شہزادی بولی کہ اچھا تم اپنا قصّہ کہو۔ امیر نے عرض کیا کہ حضور میری ایک ہی بیٹی ہے۔ جو ہر طرح عقل میں، شکل میں اپنی نظیر نہیں رکھتی۔ مَیں سفر میں اس کو ہمراہ لے گیا۔ اور اس آدمی کے مُلک میں پہونچا۔ وہاں اس نے اور اس کے لڑکے نے ہماری نوکری کی۔ اور ہم ان دونوں کو ساتھ لے آئے۔ وہ لڑکا اگرچہ غریب ہے۔ مگر اس قدر شریف ہے کہ میری بیٹی کے دل میں اس کی محبت ہو گئی ہے۔ اور میں بھی سچے دل سے خوش ہوں۔ کہ یہ عقد ہو جائے۔ مگر یہ شخص نہیں مانتا۔ آخر میں اُسے دربار میں چوری کے الزام پر گھسیٹ لایا۔ اس کا عذر ٹھیک ہے۔ کہ میں نے اس کی اُجرت ادا نہیں کی۔ اس کا بیٹا ایسا سعادتمند ہے کہ باپ کی اجازت کے بغیر وہ نکاح کرنا پسند نہیں کرتا۔ دوسرا عذر اس کا یہ ہے کہ وہ شادی تب کرے گا جب وہ کافی دولت کمائے گا "

" میں۔ (رسمی طور پر) بندہ پرور، للہ مجھ سے تو ایسے الفاظ نہ کہئے۔ بزرگوں سے جو آپ کی مراعات تھیں۔ وہ میرے دل پر نقش ہیں۔ اور کافر ہو جو یہ جانے کہ آپ کا وقت پورا ہو چکا۔ ابھی تو ہندوستان میں صدیوں آپ کا ڈنکا بجے گا "

خیرات :- آپ ہم مسکینوں سے یہ رسمی جملے استعمال نہ کریں ہمارا جنازہ آج نہ نکلا تو کل نکلے گا۔ آپ سے عرض کرنے کا مدعا صرف اس قدر تھا ؎

عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے

خدا کی شان کہ خود آپ بچپن میں ہم سے کھیلے اور اب یہ بیگانگی کہ مغربی تہذیب کے دام تزویر پھیلائے جاتے ہیں

کبھی ہم بھی تم بھی تھے آشنا۔ تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

میں :- معاف کیجئے۔ واقعی آپ کی حالت قابلِ رحم ہے۔ قوم کی احسان فراموشی کی آپ زندہ تصویر ہیں مگر آخر یہ تو فرمائیے۔ کہ قوم بیماری خلافت والوں سے طلاق لینے کے بعد سیدھی تبلیغ تنظیم والوں کے گھر جا پڑی۔ اور وہ لوگ پیسے کے پیر ہیں۔ اب آپ کے لئے رقم آئے تو کہاں سے ؟

پیری مریدی :- تو گویا آپ کی طرف سے صاف جواب ہے "

"ہاں اللہ میاں تو بات یہ تھی کہ میں نے کہیں کہہ دیا کہ بھئی مجھے تو پرانا بوسیدہ صدیوں کی ذمہ دار تلے دبا ہوا۔ خدا درکار نہیں۔ بلکہ میں نے یہاں تک کہہ دیا کہ سکنڈ ہینڈ (Second hand) کپڑا پہن لیں مگر سکنڈ ہینڈ خدا ہرگز نہیں۔ تم تو بالکل نوجوان ہوتا اللہ میاں ؟ کس قدر یہ لوگ باتیں بناتے ہیں کہ تم وہی ہو جو تھے۔ اتنا نہیں سوچتے کہ جس میں خدا ہو کر بھی شباب نہ ہو اُسے خدائی کا کیا مزہ ؟ اللہ میاں کیا کہا کہ مجھے اس گستاخی کے بدلے پھانسی دو گے ؟"

"اے دوست !

سورج اور تاروں کا، چاند اور بادلوں کا تو ذکر کر دوں۔ مگر زبان کہاں سے لاؤں ؟ کس خلوص، کس تپاک سے فطرت کے یہ معجزے انسان کو اپنی طرف مائل کرتے ہیں ان ثقاہت میں کیا رعنائی ہے ؟"

اے دوست !

کیا تم نے سورج کی (Courage) پر کبھی غور کیا ہے۔ سورج میرا اُستاد ہے تو چاند میرا بھائی جسے گھٹنے بڑھنے کا گلہ نہیں۔ جیسے نور اور سایہ برابر ہیں۔ اُستاد کو یا بھائی کو ترقی کی فکر نہیں، تنزل کا غم نہیں اور ہو بھی کیوں ہو ؟ جو اپنے کام پر مستعد ہیں غمِ فردا ان کی بلا کو"

ل

لطیف الدین احمد (دل۔ احمد)

آپ کے فسانے بیشتر ترجمہ ہوتے ہیں اور کتر طبعزاد۔ آپ کے ترجمہ "لالہ رُخ" نے "دُنیائے افسانہ نگاری میں" آپ کو دائمی شہرت بخش دی ہے۔ اس کو دیکھ کر کہا جا سکتا ہے کہ آپ میں زباندانی اور ادب فہمی کی اہلیت کس قدر ہے۔ آپ کے مترجمہ فسانوں سے اس امر کا بھی بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔ کہ زبان اُردو باوجود اپنی بے بضاعتی کے غیر زبانوں کی تصانیف کو ان کے حقیقی مفہوم میں ادا کرنے کی کہاں تک اہل ہے"

آپ کا طرزِ بیان، بہت بلند پایہ بہت لطیف، بہت دلکش اور بیحد رنگین ہوتا ہے تحریر میں جدت اور کردار نگاری بدرجۂ اتم موجود ہوتی ہے۔ پلاٹ بھی دلکش اور دلچسپ ہوتے ہیں۔ تشبیہات اور استعارات کثرت سے استعمال کرتے ہیں۔ لیکن یہ کثرت لُطف اور دلچسپی سے خالی نہیں ہوتی۔ چونکہ ترتیب اور بندشیں زیادہ تر فارسی اور عربی طرز کی ہوتی ہیں۔ اس لئے عوام الناس آپ کے فسانوں سے زیادہ لطف اندوز اور مستفید نہیں ہو سکتے مختلف نمونے ملاحظہ ہوں

"ہنوز وہ اسی فکر میں تھی کہ اس کی نظر خطۂ ہندوستان پر پڑی جہاں کی ہوائیں رُوح افزا ہیں۔ جس کے سمندر کی گہرائیوں میں عنبر کا فرش ہے۔ اس کے ساحلوں کی دیواریں مونگے کی ہیں۔ جہاں شعاعِ خورشید میں غسل کرنے والے پہاڑوں کے نیچے ہیرے کی کانیں جگمگاتی ہیں۔ اور جس کے چشمہ ہائے رواں کی موجوں میں سونا حل کر دیا گیا ہے۔ لیکن آج اس کے دریاؤں کا رنگ قرمزی ہے انسانی خون سے چشمے رنگین ہو رہے ہیں۔ اور باغات سے اس وقت موت کی بُو آ رہی ہے۔ اور ہر اس سانس میں جو سطح زمین سے بلند ہو رہی ہے انسانی قربانی کی بو شامل ہے"

"شرافت وانسانیت، اُمید ورجا کے جو جذبات ایک زمانہ سے اس کے اندر نیم مُردہ حالت میں تھے۔ دفعتاً بیدار ہو جاتے ہیں۔ جوشِ گریہ سے اس کی آواز بلند ہو جاتی ہے وہ روتا ہے۔ اور آنسوؤں کا ایک طوفان جاری کر دیتا ہے۔ جو آنسو عمقِ دل سے ندامتِ گناہ میں نکلتے ہیں بے شبہ مقبول ہوتے ہیں۔ ایسی ہی قبول اور عفو طلب روانی اشک میں ایک خاص قسم کی طمانیت کا اوّلین احساس ہونے لگتا ہے۔ اور یہ احساس ایک گنہگار ہی کو ہو سکتا ہے"

"ایک نوارۂ موسیقی نواز میرا مسکن ہے اور شب ماہ کے طرہ ہائے گل نے مجھے یہاں کھینچ بلایا ہے۔ ایک چشمہ میرا مامن ہے۔ جہاں میں صبح وشام۔ اور روز شب۔ امواج ترنم کے اندر راحت پذیر رہتی ہوں۔ جہاں کی ہوائیں بانسریوں کی لے سے ملی جُلی ہوتی ہیں۔ جہاں ہر وقت بارش نغمات ہوتی رہتی ہے۔ اور جہاں دل سے نکلنے والی ہر آہ ہونٹوں

سے جدا ہو کر گیت بنجاتی ہے "

" جہانگیر، الم زدہ جہانگیر، ان شرابوں کے جام پیہم پی رہا ہے، کثرت مینوشی سے اپنے خلائے دل کو پُر کرنا چاہتا ہے کہ یہ سیلابِ ناب، اس کے دل میں اس درجہ طوفان خیز ہو جائے کہ پھر وہاں طائرِ محبت کی پرواز کے لئے کوئی جگہ باقی نہ رہے، مگر اس نے شاید بھلا دیا ہے۔ کہ محبت کا شریر دیوتا تو ساغر کی لہروں پر بھی شناوری کرتا اور انھیں ابتسام دائمی سے تجلی ریز بنا دیتا ہے "

" ماپیو نے مزارِ آبی کے اندر اپنے عشقِ ناکام کی سوزش والتہاب سے تباہ لینے کی ٹھان لی، سان تھین کی شادی کی خبر سنکر ماتی کے جذبات و محسوسات کا تجزیہ تو دشوار ہے۔ لیکن جب ماپیو نے اس پر اپنے عزم دارادہ کا اظہار کیا تو وہ ماپیو سے لپٹ کر رونے لگی، اور جیسے وہ پہلے ہی سے فیصلہ کئے بیٹھی تھی مصر ہوئی کہ جس طرح وہ اس کی شریک مسرت اور شریک غم رہی ہے، شریکِ مرگ بھی ہوگی "

(۴۰)

مجنوں گورکھپوری

آپ کے فسانے عموماً انگریزی اور خصوصاً ٹامس ہارڈی کے فسانوں کا چربہ ہوتے ہیں۔ طبزاد فسانے بھی آپ لکھتے ہیں۔ زبان عام فہم اور سادہ ہوتی ہے اور طرزِ بیان بہت دلکش ہوتا ہے۔ کردار نگاری میں اچھی مہارت رکھتے ہیں۔ اور ہر فسانہ میں ہر کردار کی خصوصیتوں کے اظہار میں ابتدا سے انتہا تک بہت توجہ سے کام لیتے ہیں۔ پلاٹ بہت دلچسپ بناتے ہیں۔ طوالت پسند بیحد ہیں۔ کوئی فسانہ ٹامس ہارڈی کے رنگ سے معرا نہیں ہوتا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ٹامس ہارڈی کے فسانوں اور ناولوں کا مطالعہ آپنے بہت عمیق نظروں سے کیا ہے۔ یہاں تک کہ اس کے خیالات اور اس کا فلسفۂ زندگی آپ کے خیالات میں سرایت کر گیا ہے۔ ہر فسانے میں فلسفۂ زندگی پر روشنی ڈالتے ہیں۔ اور عشق و محبت کے مناظر، پیش کرنے کے عادی ہیں لیکن عشق و محبت کے اندازِ بیان میں مغربی رنگ غالب ہوتا ہے۔ چونکہ ٹامس ہارڈی " مصورِ غم " مانا جاتا ہے اس لئے آپ کے فسانوں میں بھی غم کا پہلو نمایاں ہوتا ہے۔ بدنصیبی، حسرت و یاس، ناکامی اور دردمندی کے دلگداز واقعات آپ کے فسانوں کی خصوصیات میں داخل ہیں۔ اور ان میں تاثیر موجزن ہوتی ہے۔ جو ہر دل کو کرداروں کے ساتھ ہمدردی پیدا کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ آپ کے یہاں جدت مفقود ہے۔ تقریباً ہر فسانے کا پلاٹ ابتدا سے انتہا تک ایک ہی رنگ میں رنگا ہوتا ہے یعنی عشق و محبت کی ابتدا۔ پھر ہجر و فراق کی صعوبتیں اور مصائب اس کے بعد آخر میں غم آگیں انجام۔ آپ کے فسانوں کو پڑھنے کے بعد اس امر کا بھی پتہ چلتا ہے۔ کہ آپ کے نزدیک خدا

ایک ظالم، بیدرد اور اندھی قوت کا نام ہے۔ مختلف نمونے ملاحظہ ہوں

" مریم سے اب ضبط نہ ہوسکا، رؤف نے اس کے دل کے نازک ترین حصے کو چھیڑ دیا تھا۔ وہ زار زار رونے لگی۔ رؤف سے نہ رہا گیا۔ اس نے بڑی جرأت کی اور مریم کو اپنے حلقۂ آغوش میں لے کر، اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرنے لگا۔ مریم نے اپنے کو رؤف کی گود سے الگ نہیں کیا۔ اس کو رؤف کے نرم و گداز بدن سے راحت مل رہی تھی۔ اسکے آنسو کسی طرح نہ تھمتے تھے۔ رؤف نے تسلی دینے کی لاکھ کوشش کی مگر سب بیکار "

" ادریس نے مسکرا کر کہا۔ " میں نے اس معاملہ پر کافی غور کر لیا ہے۔ سکون و اطمینان ہر شخص کے حصہ کی چیز نہیں۔ یہ اپنا اپنا کردار اور اپنا اپنا لچھن ہے۔ جو انسان کی زندگی بناتا اور بگاڑتا ہے۔ چنانچہ یہ میرا ہی کردار تھا جس نے مجھے برباد کیا اور میرے ساتھ دو معصوم اور بیگناہ عورتوں کو خاک میں ملا دیا۔ خدا کی بحث میرے سامنے نہ نکالو جس چیز کو تم خدا کہتے ہو، میں اس کو ایک اندھی قوت سمجھتا ہوں۔ جو ایک ناتراشیدہ بچے کی طرح حسین چیزوں کے ساتھ پہلے تو کھیلتی ہے اور پھر ان کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیتی ہے۔ رہ گئی محبت، سو میرا خیال ہے کہ اس دنیائے حوادث میں اس کا وجود نہیں اس دنیا کی محبت کے متعلق آتر نے سچ کہا ہے ؎

واقعی کون کس کو چاہے ہے ہر کوئی وہم میں نباہے ہے "

" عشق کی ابتدا انفرادیت سے ہوتی ہے اور شاید تمام ارتقائی منزلیں طے کرنے کے بعد بھی یہ انفرادیت باقی رہتی ہے۔ جب تک عشق کا نشہ آپ پر چھا نہیں جاتا۔ جب تک عقل و ہوش کا غلبہ ہے۔ جبتک آپ دھرم کا پرچار کیجئے۔ مذہب کی تبلیغ کیجئے۔ اخلاقیات کی اشاعت کیجئے۔ فلسفہ اور تصوف کی حمایت کیجئے۔ یا اور جو کچھ چاہئے کیجئے اور کیجئے۔ مگر جہاں آپ نے عشق کی دنیا میں قدم رکھا، آپ جو کچھ اب تک کہتے یا کرتے آئے ہیں۔ اس سے خجل ہونا پڑتا ہے۔ اور آپ " برد کہ بادۂ ما تلخ بہ ازیں ہنداست " کہہ کر سب کو حرفِ غلط سمجھنے لگتے ہیں "

" مریم نے لاکھ چاہا کہ اپنی ناکامیوں اور تلخیوں کو قدرت کے دلفریب مناظر میں بھول جائے لیکن اس کو بہت جلد معلوم ہوگیا۔ کہ یہ مناظر اب اس کے لئے دلفریب نہیں رہے۔ اس کے دل کی آواز دراصل دھوکہ کی آواز تھی۔ جو لمحے ایک بار گذر گئے وہ پھر نہیں آتے۔ جو زندگی ایک بار بسر ہوگئی اس کا اعادہ ناممکن ہے۔ یونان کے " رونے والے فلسفی " کا قول ہے۔ کہ " ایک ہی ندی میں کوئی دو بار نہیں نہا سکتا۔ " جس دریا میں آپ نے ابھی غسل کیا ہے وہ دوسرے لمحے میں بالکل ایک دوسرا دریا ہو جاتا ہے۔ اگرچہ یہ بات فوراً محسوس نہیں ہوتی۔ زندگی کے بہاؤ میں کسی ایک حالت کو

اپنی جگہ قرار نہیں ہے جس چیز کو آپ ایک دفعہ کھو چکے اس کی بازیافت محال ہے جو بات ایک بار ہو چکی اس کی "بادگشت" قانونِ قدرت کے منافی ہے ہاں یہ اور بات ہے کہ آپ "رنج نومیدی" کی تاب نہ لاسکیں اور عمر بھر کف افسوس مل مل کر "تجدید تمنا" کا عہد کرتے رہیں"

ایم۔ اسلم

آپ کے فسانے عموماً طبعزاد ہوتے ہیں۔ کسی حد تک جدت بھی پائی جاتی ہے۔ فسانوں میں عموماً گھریلو اور روزمرہ زندگی کے واقعات بیان کرتے ہیں۔ فسانے مختصر اور دلچسپ ہوتے ہیں۔ مزاحیہ رنگ میں بھی اچھے فسانے لکھتے ہیں کردار نگاری کے بڑے شائق معلوم ہوتے ہیں۔ چنانچہ "مرزا جی" کے کردار کو خوب خوب پیش کیا ہے۔ زبان عام فہم، روزمرہ، اور سادہ ہوتی ہے۔ ترکیبیں، پنجابی، بھونڈی اور جملے اکثر بے جوڑ ہوتے ہیں۔ بعض فسانوں کا پلاٹ دلچسپ اور نتیجہ خیز ہوتا ہے اور بعض میں پلاٹ مفقود ہوتا ہے۔ مختلف نمونے ملاحظہ ہوں

"حسن :۔ غلطی، لیکن میری اپنی ہے، مجھے خود جانا چاہئے تھا"
بیوی :۔ "تو جاؤ۔ ہاتھ جوڑو۔ منت کرو۔ معافی مانگو"
حسن :۔ "بھائی سے معافی مانگنا، یا اُس کی منت کرنا کوئی گناہ نہیں"
بیوی :۔ "کون کہتا ہے کہ گناہ ہے۔ لیکن شرم اور غیرت بھی تو کسی جانور کا نام ہے"
حسن :۔ "شرم اور غیرت کیسی؟ بھائی کے سامنے گردن جھکانے یا ندامت کا اظہار کرنے میں ہرگز عار نہیں آنی چاہیے"

"دیئے کے دیئے سب کوٹھریوں میں جل رہے تھے۔ ذرا ان کی دھیمی دھیمی لو۔ میں عورتوں کی چمکتی ہوئی پوشاکیں بہت بھلی معلوم ہوتی تھیں۔ کچھ دیر کے بعد ننھے کی ماں جو اُسے دیکھنے کے لئے کوٹھری کی طرف گئی تو دو ایک اور بھی اس کے ساتھ ہولیں۔

ننھا مزے سے پاؤں پھیلائے کھاٹ پر پڑا سو رہا تھا اور اس کی چچی اس کے ننھے ننھے پاؤں سے گال لگائے روتے روتے سو گئی تھی۔ دیئے کی ہلکی ہلکی روشنی میں سونے والے کے گوٹے کناری کے کپڑوں پر بھی اُداسی سی چھائی ہوئی معلوم ہوتی تھی"

(مزاحیہ)

الیکشن کا وقت تو دس بجے تھا لیکن آپ بارہ بجے کے بعد کیمپ میں پہونچے۔ آپ کے جاتے ہی لوگوں نے "مرزا زندہ باد" کے نعرے لگانا شروع کر دیئے۔ ووٹ تو وقت پر پڑنا شروع ہو گئے تھے۔ آپ پہونچے ہی تھے کہ اتنے میں خبر

آئی کہ چنو والے اپنے کھاٹ کھٹولے اٹھا کر میدان چھوڑ گئے ہیں۔ بس اب کیا تھا۔ سلامی کے گولے چلنے لگے۔ کیمپ میں مُبارک سلامت کا غل بلند ہوا۔ مرزا صاحب نے اسی وقت واپسی کا اعلان کر دیا۔ اور کہا کہ ہمارا مقابلہ تو صرف چنو سے تھا زندہ رہے تو اگلے سال شیخ جی سے بھی نپٹ لیں گے "

(۱)

نیاز فتحپوری

آپ کے فسانے عموماً طبع زاد اور بہت بلند پایہ ہوتے ہیں۔ ترجمے بھی اپنی سلاست اور روانی کے لحاظ سے اوریجنل معلوم ہوتے ہیں۔ پلاٹ عموماً دلچسپ ہوتا ہے۔ کردار نگاری پر عبور حاصل ہے۔ طرزِ بیان بہت دلکش اور عبارت بہت بلند پایہ ہوتی ہے یعنی عربی اور فارسی کی بڑی بڑی ترکیبیں اور محاورے استعمال کرتے ہیں۔ جو موزوں تو ہوتے ہیں لیکن عام فہم نہیں ہوتے تشبیہات اور استعارات کی بہتات ہوتی ہے، لیکن یہ بھی دلکشی سے خالی نہیں۔ ایک خصوصیت آپ کے فسانوں کی یہ ہے کہ جس منظر کو جس حالت میں دیکھتے ہیں اُسے ویسا ہی بیان کرتے ہیں، اس لحاظ سے آپ کے فسانوں کے متعلق یہ خیال ہے کہ " عریاں " ہوتے ہیں۔ اکثر و بیشتر فسانے " حسن و محبت " کے واقعات سے لبریز ہوتے ہیں۔ جن میں رنگینی اور دلکشی کوٹ کوٹ کر بھری ہوتی ہے۔ بہت کم فسانوں میں اصلاحی درس اور گھریلو زندگی کے مناظر پیش کرتے ہیں فلسفۂ محبت اور فلسفۂ زندگی پر بھی اکثر اوقات تبصرہ کرتے ہیں۔ ہر فسانہ جدت سے مملو ہوتا ہے اس کے علاوہ بعض فسانوں میں نفسیاتی پہلو پر بھی نظر ڈالتے ہیں لیکن ان کا اثر دیرپا نہیں ہوتا۔ مجموعی طور پر آپ کے فسانوں میں زندگی کے روشن پہلو، یعنی مسرت و عشرت کے مناظر دکھائے جاتے ہیں۔ مختلف نمونے ملاحظہ ہوں

" مرانداے نے جس وقت راہب کی گفتگو سنی، اس کی برہمی کی کوئی انتہا نہ رہی اور اس وقت جبکہ وہ جام کو لبوں تک پہونچا ہوا دیکھ رہی تھی۔ اپنی تشنہ کامی کے خیال سے دیوانی سی ہوگئی۔ اور انتہائے غیظ و غضب کی حالت میں کرسی پر بیٹھ کر راہب کو اپنے اوپر گرا لیا۔ اور دونوں ہاتھوں سے اسی حالت میں اُسے مضبوط پکڑ کر بلند آواز سے چیخنے لگی۔ " دوڑو۔ دوڑو۔ مجھے راہب سے بچاؤ "

" سوشیلا سمجھتی تھی کہ حقیقت حال نہ تارا سے کہی جا سکتی ہے اور نہ رنجور سے۔ ممکن ہے تارا یہ معلوم کرنے کے بعد کہ مجھے بھی رنجور سے اتنی ہی محبت ہے، جتنی اس کو، جانبر نہ ہو سکے، اور رنجور یہ سُنکر کہ تارا اس پر فریفتہ ہے کوئی نازیبا خیال اس کی طرف سے دل میں پیدا کر لے۔ اس کے ساتھ جب وہ تارا کی حالت کو دیکھتی تھی۔ تو بیتاب ہو جاتی تھی۔ وہ اس کا ہر وقت کا سوگ۔ وہ اس کا ہر دم اندر ہی اندر سلگنا۔ وہ اس کا محبت کی آگ میں شمع کی طرح جل کر

پگھلتے رہنا، اک ایسا منظر تھا کہ سوشیلا کو اکثر اوقات اپنی محبت کی طرف سے دھوکا ہو جاتا تھا "

" شہاب تم مسئلہ ازدواج و محبت کو دُنیا کے اور مسائل میں کیوں شامل کرتے ہو۔ کون کہہ سکتا ہے کہ حصولِ مُدعا بری چیز ہے۔ لیکن خاص مسئلہ نکاح، اور نکاح بھی وہ جو نتیجۂ محبت قرار دیا جائے۔ سب سے بڑی غلطی یہی ہے کہ ایک شخص، مدعا اس چیز کو قرار دیتا ہے۔ جو حقیقتاً مدعا نہ ہونا چاہیئے۔ اگر محبت کا نتیجہ صرف نکاح ہونا چاہیئے تو میں کہوں گا کہ آگ کا کام بہا لیجانا، اور پانی کا کام جلا دینا ہونا چاہیئے۔ محمود، افسوس ہے کہ تم سا ادیب اور تم سا لطیف الخیال شخص، محبت کی نزاکت کو نہیں سمجھتا۔ لوگ محبت کا نام کس آسانی سے لے لیتے ہیں۔ حالانکہ یہ انھیں بھی خبر نہیں کہ اس کا نصب العین کیا ہے۔ اور اس کا اقتضا کیا۔ اگر محبت نام ہے صرف اس جذبۂ شہوانی کا جو چودہ پندرہ برس کی عمر میں شروع ہو کر تیس چالیس برس میں فنا ہو جاتا ہے۔ اگر محبت کا مفہوم تمھارے ہاں صرف وہ ہیجانِ عصبی ہے جو نتیجہ ہوتا ہے نشو و نما کی پختگی کا تو تمھیں اپنی محبت کی کامیابیاں مُبارک "

" جب کبھی وہ صبح، خانۂ باغ کی روشوں پر ٹہلتی ہوتی اور آفتاب طلوع ہوتا تو یہ تمیز کرنا دشوار ہو جاتا کہ آیا آفتاب اس پر طلوع ہوا ہے یا یہ آفتاب پر۔ اور سورج کی کرنیں اس کے چہرہ کو منور کر رہی ہیں یا اس کے جسم کی شعاعیں آفتاب کو۔ مشہور تھا کہ کوئی متنفس ملکۂ ناہید کو مسکراتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا۔ اور اگر کسی نے دیکھ لیا، تو کبھی ایسا نہیں ہوا کہ اس بجلی کی چھانس اس کے دل سے بہ آسانی نکل گئی ہو اس کا رنگ جسم یہ معلوم ہوتا تھا کہ نسترن زار فردوس کی صباحت میں ہلکا سا رنگ شفق ملا کر بلوریں جلد کے نیچے دوڑا دیا گیا "

مزاحیہ فسانہ نگار

(الف)

احمد شاہ بخاری، پطرس

آپ کے فسانے عموماً اوریجنل (طبعزاد) ہوتے ہیں۔ جن میں خوش مذاقی (Light humour) بدرجۂ اتم موجود ہوتی ہے۔ مزاحیہ فسانہ نگاری میں آپ ایک ممتاز طرز نگارش کے مالک ہیں۔ زبان نہایت سادہ، سلیس اور عام فہم ہوتی ہے۔ [illegible] ایسے تبسم آفریں جملے لکھ جاتے ہیں کہ بغیر ہنسے رہا نہیں جا سکتا۔ ابتذال کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔ البتہ زبان کی غلطیاں کہیں کہیں موجود ہوتی ہیں۔ بعض فسانوں میں پلاٹ ہوتا ہے۔ اور بعض میں نہیں۔ مجموعی حیثیت سے پلاٹ کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ طرز بیان بہت دلکش ہوتا ہے اور کردار

کو بھی خوب رنگ دیتے ہیں۔ آپ کے فسانے صرف تفریحی ہوتے ہیں۔ اور تفنن طبع کا باعث یعنی نہ تو ان میں سوشل اصلاح مدِ نظر ہوتی ہے۔ نہ معاشرتی نقائص پر کوئی تنقیدی نظر ڈالتے ہیں۔ نمونے ملاحظہ ہوں

" دوکاندار بڑھکر میرے پاس آیا۔ لیکن میری زبان کو جیسے تالا لگا ہوا تھا۔ عمر بھر کبھی کسی چیز کے بیچنے کی نوبت نہ آئی تھی۔ مجھے یہ بھی معلوم نہیں کہ ایسے موقع پر کیا کہتے ہیں آخر بڑی سوچ بچار اور بڑے تامل کے بعد منہ سے صرف اتنا نکلا کہ " یہ بائیسکل ہے "

دوکاندار کہنے لگا۔ " پھر " میں نے کہا۔ " لوگے ؟ " کہنے لگا۔ " کیا مطلب ؟ " میں نے کہا۔ " بیچتے ہیں ہم "

دوکاندار نے مجھے ایسی نظر سے دیکھا کہ مجھے یہ محسوس ہوا کہ مجھ پر چوری کا شبہ کر رہا ہے۔ پھر بائیسکل کو دیکھا۔ پھر مجھے دیکھا۔ پھر بائیسکل کو دیکھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ فیصلہ نہیں کر سکتا۔ آدمی کون سا ہے اور بائیسکل کون سی ہے۔ آخر کار بولا " کیا کریں گے آپ اس کو بیچ کر ؟ " ایسے سوالوں کا خدا معلوم کیا جواب ہوتا ہے۔ میں نے کہا۔ " کیا تم یہ پوچھتے ہو کہ جو روپے مجھے وصول ہوں گے۔ مصرف کیا ہوگا ؟ " کہنے لگا۔ " وہ تو ٹھیک ہے۔ مگر کوئی اس کا لے کر کرے گا کیا ؟ " میں نے کہا۔ " اس پر چڑھے گا اور کیا کرے گا ؟ " کہنے لگا۔ " اچھا چڑھ گیا پھر ؟ " میں نے کہا۔ " پھر کیا۔ پھر چلائے گا اور کیا۔ " دوکاندار بولا۔ " اچھا " ہوں۔ خدا بخش ذرا یہاں آنا۔ یہ بائیسکل بکنے آئی ہے "

" لالہ جی۔ لالہ جی " جواب آیا " ہوں " میں نے کہا۔ " آج یہ کیا بات ہے کچھ اندھیرا اندھیرا سا ہے " کہنے لگے۔ " تو اور کیا تین بجے ہی سورج نکل آئے ؟ "

خدا کی قسم تین بجے کا نام سُنکر ہوش گم ہو گئے۔ چونک کر پوچھا۔ " کیا کہا تم نے تین بجے ہیں ؟ " کہنے لگے۔ " تین۔ تین۔ کچھ سات ـــــ ساڑھے سات منٹ دو پر تین ہیں " میں نے کہا۔ " ارے کمبخت ! خدائی فوجدار ! برتیز کہیں کے۔ میں نے تجھ سے یہ کہا تھا کہ صبح جگا دینا یا یہ کہا تھا کہ سرے سے سونے ہی نہ دینا۔ تین بجے جاگنا بھی کوئی شرافت ہے ہمیں تو نے کوئی ریلوے گارڈ سمجھ رکھا ہے تین بجے ہم اٹھ سکا کرتے۔ تو اس وقت دادا جان کے منظورِ نظر نہ ہوتے۔ ابے احمق کہیں کے۔ تین بجے اُٹھ کے ہم زندہ رہ سکتے ہیں۔ امیرزادے ہیں۔ کوئی مذاق تھوڑا ہے ـــ " لاحول ولا قوہ " دل تو چاہتا تھا کہ تشدد اور عدم تشدد کو خیرباد کہہ دوں لیکن پھر خیال آیا کہ بنی نوعِ انسان کی اصلاح کا ٹھیکہ کوئی ہمیں نے لے رکھا ہے، ہمیں اپنے کام سے غرض ہے۔ لیمپ بجھایا اور پھر بڑبڑاتے ہوئے سو گئے "

ش
شوکت تھانوی

آپ کے فسانے عموماً طبعزاد ہوتے ہیں اور ان میں مزاح پوری طرح موجود ہوتا ہے ابتدا سے افسانہ نگاری سے آپ کی

تحریریں بھی پاک ہوتی ہیں۔ پلاٹ بعض فسانوں کا بہت خوب ہوتا ہے۔ عبارت رنگین، دلکش اور تبسم آفریں ہوتی ہے، عام فہم اور روزمرہ لکھتے ہیں۔ طرزِ بیان عام پسند ہوتا ہے۔ روزمرہ زندگی کے واقعات میں مزاح پیدا کرتے ہیں لیکن تحریریں اثر اور اصلاح سے خالی ہوتی ہیں۔ ان سے محض وقتیہ تفریح ہوسکتی ہے۔ کوئی خاص سبق نہیں ملتا۔ کردار نگاری کہیں کہیں بہت بہتر ہوتی ہے۔ مختلف نمونے ملاحظہ ہوں

" لیکن انھوں نے صرف یہ جواب دیا۔" کاجانی بھیا۔ ہم کا ناہیں مالوم۔" یہ خالص سودیشی ریل کے، سکنڈ کلاس کے معزز پاسنجر تھے۔ ان سے بھلا کیا معلوم ہوسکتا تھا۔ مجبوراً ہم پلیٹ فارم پر آئے اور دو ایک آدمیوں سے پوچھنے کے بعد یہ معلوم ہوا کہ " اگر مسافر کانپور کے زیادہ ہوئے تو وہاں جائے گی۔ ورنہ جہاں کے مسافروں کی تعداد زیادہ ہوگی وہاں چلی جائے گی۔ اس لئے اب تک انجن نہیں لگایا گیا ہے کہ خدا معلوم ٹرین کو مشرق کی طرف جانا پڑے یا مغرب کی طرف۔" ہم نے گھبرا کر پوچھا۔" لیکن یہ فیصلہ کب ہوگا۔؟" جواب ملا:" جب گاڑی بھر جائے گی اس وقت فیصلہ ہوسکتا ہے۔" ہم نے پھر پوچھا۔" لیکن گاڑی کا وقت تو ہوچکا۔" جواب ملا۔" کہ ہوجایا کرے۔ جب تک ریل نہ بھر جائے کس طرح چھوڑی جاسکتی ہے۔ کیا خالی ریل چھوڑ دی جائے ؟"

" سکریٹری صاحب ٹاؤن کانگریس کمیٹی بھی آگئے تھے اور ڈرائیور بھی تھا۔ مگر ایک کوئلہ کے نہ ہونے سے سب کا ہونا نہ ہونا یکساں تھا۔ کامل ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد للو فائرمین کوئلہ کی گٹھری لئے یہ کہتا ہوا آپہونچا۔" آدھی رات کو کوئلہ منگانے چلے ہیں تمام دوکانیں بند ہوچکی تھیں۔ ایک دوکان پر اتنا سا کوئلہ تھا۔ وہ بھی بمشکل تمام ایک روپیہ نو آنے میں ملا ہے۔ بھاگتا ہوا آرہا ہوں۔ راستہ میں گر بھی پڑا تھا۔ تمام گھٹنے چھل گئے۔ کوئلہ وغیرہ دن سے منگا لیا کرو۔" ڈرائیور نے جلدی سے کوئلہ ڈالا۔ اور سیٹی بجا کر گاڑی چھوڑی، گاڑی چلی ہی تھی کہ ایک شور مچ گیا:" روکو روکو۔ گارڈ صاحب رہ گئے "

" بیوی۔" اے اپنی گت تو دیکھو۔ ہائے میں لٹ گئی۔" بڈھن۔" گت کیا دیکھیں ؟ عاشقوں کی یہی شان ہوتی ہے۔ تم تو ماشا اللہ پڑھی لکھی ہو۔ ذرا قصہ لیلیٰ مجنوں اٹھا کر دیکھو کہ مجنوں، جس کا آج ڈنکا بج رہا ہے کس شان سے رہتا تھا۔" بیوی۔" ہائے میں لٹ گئی۔ ہائے میں کہیں کی نہ رہی " بڈھن۔" اس میں لٹنے کی کون سی بات تھی ایک قمیص میں نے اپنے شوق کے لئے پھاڑ لی۔ تو یہ لٹ گئیں۔ تم کو میرا عشق ایسا ہی برا معلوم ہوتا ہے تو جانے دو۔ میں نہیں کروں گا عشق۔ لاؤ کوئی پاجامہ بکس سے نکال دو۔ مگر اب مجھے بیکاری کا طعنہ نہ دینا "

عظیم بیگ چغتائی

آپ ہمیشہ طبعزاد فسانے لکھتے ہیں جو زیادہ تر خود ہی سے متعلق ہوتے ہیں۔ طرزِ بیان سادہ، سلیس، عام فہم اور بیحد دلچسپ ہوتا ہے۔ عبارت بعض اوقات محاوروں اور استعارات سے بھی لبریز ہوتی ہے۔ مزاحیہ رنگ میں نسائی زبان خوب نکھتے ہیں۔ پلاٹ عموماً دلچسپ ہوتا ہے۔ گھریلو زندگی پر اکثر اصلاحی نظر ڈالتے ہیں۔ تحریر زیادہ مؤثر یا اس کا اثر دیرپا نہیں ہوتا۔ عموماً تفریحی باتیں ہوتی ہیں یا جن سے وقتیہ فرحت حاصل ہوتی ہے۔ کردار نگاری خاصی اچھی ہوتی ہے بعض اوقات مبالغہ سے بھی کام لیتے ہیں۔ اور فطرت تصنع سے بدل جاتی ہے۔ سنجیدہ فسانے بھی لکھتے ہیں جن میں پلاٹ کے علاوہ طرزِ بیان بہت دلچسپ اور معنی خیز ہوتا ہے اور اس میں اصلاحی رنگ خاص طور پر جھلکتا ہے۔ محاوروں اور زبان کے اکثر نقائص پائے جاتے ہیں۔ مختلف نمونے حسب ذیل ہیں

" ایک دھندلکے کا سا عالم تھا۔ میں نے جھانک کر نیچے صحن میں دیکھا۔ تین چارپلنگ بچھے ہوئے تھے۔ اور گھر والے غافل سو رہے تھے۔ بہ کچھری میں سرِ رشتہ دار تھے جن کے مکان میں خاکسار جھانک رہا تھا۔ دبے پاؤں میں زینہ سے اُتر کر نیچے پہونچا۔ اور سایہ کی طرح مکان کے دوسرے بازو کی طرف پہونچ کر میں نے اپنی " بھوت آفرینی " شروع کردی نعمت خانہ کھول کر دیکھا۔ دودھ رکھا تھا وہ پی گیا۔ کیونکہ مقوی چیز ہے۔ لڈو تھے وہ کھائے۔ تین انڈے تھے وہ جیب میں رکھے۔ اس کے بعد ہر وہ چیز جو سامنے نظر آئی۔ اس کو الٹا رکھ دیا۔ ہنڈیاں، گھڑے، برتن، پیڑھی وغیرہ وغیرہ سب کو الٹا رکھدیا پھر جان پر کھیل کر صحن کی طرف آیا۔ بڑی ہوشیاری اور خاموشی سے میں نے سب کے جوتے اکٹھے کر کے بغل میں دابے اور پھر باورچی خانہ میں واپس آیا۔ ایک پتیلی میں پانی ڈال کر گھی اور مصالحہ تلاش کر کے نمک مرچ ڈال کر جوتے پکنے کو رکھ دئے "

ملاح نے ایک مرتبہ اور پانی میں پتوار ڈال کر زور سے چکر کی تیزی میں اضافہ کر دیا میری یہ حالت ہو گئی کہ سر پھٹا جاتا تھا۔ اور یقین ہو گیا کہ سر چکرا کر اب موت واقع ہو رہی ہے۔ چودھری صاحب نے اب دہائی اور تہائی دینا شروع کی۔ اور میں پڑے پڑے ان کی کوشش کی داد دے رہا تھا۔ وہ چلا رہے تھے۔ " اے نالایق شیخ ..... برحمنک ..... کم بخت اشدہ المن الرقص ..... ارے ..... اخرج ..... من الگرداب ..... ارے موذی ناؤ نکال " چکرا کر وہ پھر میرے اوپر گرے۔ میں نے آنکھ کھول کر دیکھا۔ ساری دنیا گھوم رہی تھی۔ چودھری صاحب نے پھر دھاڑ کر کہا۔ " ایہا الشیخ ..... ابے اُلّو ..... ابن اللالو والخنزیر ..... ردک ..... ارے نکال ..... واللہ ..... قسم خدا کی ..... ارے بھئی شیخ ..... ارے اشدۃ المن الرقص ..... ارے

مرے . . . . . ابے روک ۔ روک ارے نکال . . . . . یا اللہ . . . . . اے ایہا الشیخ من الموذی اخرج من الماء گرداب . . . . نالائق بدمعاش والدہ بھئی شیخ ۔" مگر توبہ کیجئے۔ بھلا ان باتوں سے کہیں ناؤ رکنے والی تھی "

(سنجیدہ)

نوری اس مسئلہ پر غور کر رہا تھا نازکی، کا ہاتھ بدستور اس کے ہاتھوں میں تھا۔ اس نے اس کے ہاتھ کو نرمی سے دباتے ہوئے عجیب پیرایہ میں کہا۔ " میری، جو باتیں خود سمجھ میں نہیں آتی تھیں ان کو میں دریافت کرنا چاہتا تھا۔ لیکن دراصل مَیں یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ آپ کی طرف سے جو خیالات میرے دل میں تھے ویسے ہی میری طرف سے آپ کے دل میں بھی ہیں؟" " پھر آپ نے کیا پایا؟" " آپ کی اور اپنی حالت کو یکساں پایا۔ یہ ایک عجیب بات ہے۔ کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ ہم دونوں میں محبت کی بنیاد دراصل اسی وقت سے ہی استوار ہوگئی۔ جب ہم دونوں کو اس کا علم ہوا کہ یہ رشتہ قائم ہوگا "

فرحت اللہ بیگ (ف) دہلوی

آپ ایک بہت کہنہ مشق مزاحیہ فسانہ نگار ہیں۔ سب سے بڑی خصوصیت آپ کے فسانوں کی یہ ہے کہ وہ اصلاحی ہوتے ہیں اور اکثر " پیروڈی " جن سے معاشری اور سماجی نقائص کو دور کرنا مقصود ہوتا ہے۔ زبان خالص دہلوی، محاورات اور استعارات سے مزین، بلند پایہ اور معنی خیز ہوتی ہے۔ طرزِ بیان بہت دلکش، عام فہم اور تبسم آفریں ہوتا ہے۔ اور بہ نسبت اور مزاح نگاروں کے آپ کی تحریریں کافی مؤثر اور ان کا اثر دیرپا ہوتا ہے۔ پلاٹ دلچسپ بناتے ہیں اور کرداروں کی خصوصیات کو پوری طرح روشن کرتے ہیں۔ آپ کی عبارت میں ایک پختگی پائی جاتی ہے بعض فسانوں میں اخلاقی درس بھی موجود ہوتا ہے۔ نمونے ملاحظہ ہوں

" آرسی مصحف کے لئے ہم کو بھی اندر بلایا گیا۔ ہماری بیوی بھی گود میں لدی ہوئی آئیں۔ ہم دونوں نے بیچ میں آئنہ اور کلام مجید رکھا گیا۔ ادھر سے دوشالہ اوڑھایا گیا۔ ہم کو حکم ہوا کہ سورۂ اخلاص پڑھ کر آئنہ میں بیوی کا منہ دیکھو۔ ہم نے بیوی کی صورت دیکھنے کی خوشی میں اُلٹی سیدھی سورۂ اخلاص پڑھکر آئنہ پر جو نظر ڈالی تو اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا سانس نیچے رہ گیا۔ یا اللہ یہ عورت ہے یا۔" بی شادی " والدہ صاحبہ نے ان کی تعریف " آدمی کے بچے" سے کی تھی لیکن مجھے تو ان کے آدمی کا بچہ ہونے میں بھی شبہ ہے۔ میں اسی ادھیڑ بن میں تھا کہ ڈومنی نے کہا۔" میاں کہو بیوی میں تیرا غلام ذرا آنکھیں کھولو۔" میں نے اس پر " ہُشت " اس زور سے کہا کہ ڈومنی بیچاری تو گھبرا کر پرے سرک گئی۔ اور ہماری والدہ صاحبہ نے اس کی جگہ لے کر وہی فقرہ کہا۔ ایک دفعہ کہا۔ دو دفعہ کہا۔ جب تیسری دفعہ کہا تو میں نے جواب دیا۔" سنئے صاحب میں ایسی خوبصورت بیوی کا غلام بننے کے لئے ہرگز تیار نہیں ہوں۔ چاہے

آپ بھلا مانیں یا بُرا مانیں۔" مبرا یہ سُنا تھا کہ ساری مجلس "دھم" ہو کر رہ گئی "

" اس کے بعد تو میں نے ٹھان لی کہ کچھ بھی ہو، عشق کر کے رہوں گا۔ میں نے پھر اپنے دل سے فیصلہ کرنا چاہا۔ بہت کچھ سوچتا بچارتا رہا۔ یہی سمجھ میں آیا۔ میاں عاشق حسین، تمھارے نام میں بھی اللہ نے کوئی نہ کوئی ضرور بات رکھی ہے نام تو عاشق اور ہے ہوائے کچھ بھی نہیں۔ وہی نہ، نام بڑا اور درشن تھوڑا۔ جیسا نام ویسا کام بھی کرو۔ خالی پیلی نام کے عاشق کیا۔ عشق کر کے عاشق بنو تو کوئی بات بھی ہو۔ بوڑھاپے کی مت تو آج کل کے چھوکرے بُرا بھلا کہتے ہی ہیں مگر سچ پوچھو تو انھیں تمیز بھی نہیں۔ ابھی جمعہ جمعہ آٹھ روز بھی نہیں ہوئے کل کی بات ہے۔ ننگے پیر پھرا کرتے تھے۔ ان میں عقل و شعور کہاں سے آیا۔ لگے بڈھوں کو بے وقوف سمجھنے۔ یہ نہیں سمجھتے کہ جوانی چند روزہ ہے۔ اور پھر عقل تو بڑھاپے میں پختہ ہوتی ہے "

" یہ تو ہوئی ہمارے لکچر کی تمہید۔ امابعد۔ تمھیں معلوم ہے کہ اس کمرہ کی کتنی دیواریں ہیں (آوازیں آئیں چار) بالکل ٹھیک۔ کوئی عمارت بغیر چار دیواری کے قائم نہیں رہتی۔ اس لئے عقل کی بھی چار دیواریں ہیں۔ کوئی بتا سکتا ہے کہ وہ چار دیواریں کیا ہیں؟ (خاموشی) ہت تیرے کی۔ وہ مارا پاپڑ والے کو۔ جب تمھیں یہ بھی معلوم نہیں کہ عقل کی چار دیواریں کیا ہیں تو تم سمجھے میرا لکچر۔ اب تم خود ہی تسلیم کر لو کہ تم سب دیوانے ہو۔ میں لکچر ختم کئے دیتا ہوں (حاضرین۔ ہرگز نہیں ہرگز نہیں) تمھاری دیوانگی کا یہ دوسرا ثبوت ہے۔ ہٹ دھرمی بے وقوفی کی خاص علامت ہے اور بے وقوفی دیوانگی کا دوسرا نام ہے۔ تو ہاں عقل کی چار دیواریں ہیں۔ مطالعۂ فطرت۔ متابعتِ فطرت، مشاہدۂ فطرت اور بس (آوازیں آئیں یہ تو صرف تین دیواریں ہوئیں) تین دیواریں۔ اچھا تین ہی سہی۔ چوتھی دیوار ہم خود ہیں۔ یعنی نمونۂ فطرت۔ کہو اب تو چار دیواریں ہو گئیں یا نہیں "

طنزیہ فسانہ نگار

(۱۰)

رشید احمد صدیقی علیگ

آپ اپنے رنگ کے واحد فسانہ نگار ہیں۔ یا نیاز صاحب فتحپوری کی زبان میں۔" رشید صاحب کا طنز: اپنی رنگ حقیقتاً ایک بلند پایہ تنقید ہے، ایک پاکیزہ " انحلال جذبات " ہے اور حقیقی معنی میں اس " ادب لطیف " کا نمونہ ہے۔ جس کو اصولِ تربیت کے لحاظ سے " کنڈر گارٹن " طریق انشا، بھی کہہ سکتے ہیں۔" آپ کے فسانوں کی

سب سے بڑی خصوصیت "طنز نگاری" ہے جس کا نتیجہ سماجی اصلاح ہوتا ہے۔ آپ سوسائٹی کے نقائص اور عیوب پر اس قدر معنی خیز انداز سے تنقید کرتے ہیں کہ مزاح کا مزاح ہوتا ہے اور اصلاح کی اصلاح طرزِ بیان بہت بلند پایہ، معنی خیز، اور دلکش ہوتا ہے۔ پلاٹ آپ کے یہاں کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ کردار نگاری قابل ذکر ہوتی ہے۔ آپ کی تحریروں کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ ان کا اثر دیرپا ہوتا ہے اور ان کو پڑھنے کے بعد ایک شخص میں یہ احساس خود بخود پیدا ہو جاتا ہے۔ کہ وہ ان کو پڑھ کر اصل واقعات سے ان کا مقابلہ کر کے کوئی نتیجہ نکالے۔ نمونے ملاحظہ ہوں

"دیہاتی سمجھتا ہے کہ جب تک زمیندار اور پٹواری موجود ہیں اس کی ساری ملکیت منقولہ ہے۔ الاعورت۔ شہری اس کا قائل ہے جب تک یورپ اور دولت حی قائم ہے۔ اس وقت تک سب کچھ غیر منقولہ ہے۔ الاعورت۔ دیہاتی عورت کو مایۂ عزت سمجھتا ہے اور شہری آلۂ تفریح۔ دیہاتی کے نزدیک عورت کا مفہوم یہ ہے کہ وہ اس کا مکان ہے جہاں وہ ہنستا ہے، بولتا ہے، آرام کرتا ہے۔ پناہ لیتا ہے اور کشاکشِ حیات سے عہدہ برآ ہونے کے لئے تازہ دم ہو کر نکلتا ہے۔ تعلیم یافتہ کے نزدیک عورت ایک عضویاتی ضرورت ہے یا ایک وسیلۂ تفنن، جس کے لئے اس نے چوپاٹی اور اپالو تعمیر کیا ہے دیہاتی پناہ اور آرام چاہتا ہے۔ شہری صرف غم غلط کرنا چاہتا ہے۔ دیہاتی کے ہاں محنت، دیانت اور عورت ہے۔ شہری بھی عورت کا طالب ہوتا ہے لیکن عفت و دیانت سے نہیں۔ بلکہ کمر و دولت سے۔ آج چوپاٹی اور اپالو دریا برد ہو جائیں۔ تو وہ جلد سے جلد کوئی اور اپالو تعمیر کرلے گا۔ کسان کے جھونپڑے پر یہ آفت آئے تو یہاں سطح آب پر اپالو اور چوپاٹی کی خس و خاشاک یا گندگی نہیں آسکتی۔ بلکہ موجوں کے ساتھ ایک خفیف سی ہلکی رنگین تحریر —— چوپاٹی اور اپالو کی تعمیر دولت اور رشین سے ہوتی ہے۔ یہ ایک لحظہ۔ تعمیر ہوتے ہیں اور اپنے تعمیر کرنے والوں کی دولت اور حسن کی مانند ایک لحظہ میں فنا ہو جاتے ہیں۔ جھونپڑا نسلوں کی تعمیر ہے، نسلوں کے فنا ہونے کے بعد بھی قائم رہتا ہے"

"اتفاقِ وقت کلکٹر صاحب اور ڈپٹی صاحب ساتھ ساتھ کہیں دورے پر تھے۔ بابو گنیش مل، پرانے زمانے کے ایک مختار وکیل، ایڈووکیٹ، بیرسٹر سب ہی کچھ تھے بوڑھے، قانون کے علاوہ سب کچھ پڑھے ہوئے، قدرے شاعر، نہایت طرار، حاضر باش، حکام رس، حاضر جواب، کسی مقدمہ کی پیروی میں کیمپ کے ساتھ ساتھ تھے۔ اور خانساماں وغیرہ کے ساتھ بیٹھ حقہ کے دو چار کش پی رہے تھے۔ قضارا رفع حاجت کی ضرورت محسوس ہوئی۔ ایک طرف بیت الخلا تھا۔ لوٹا لئے ہوئے بدحواسی کے ساتھ داخل ہوئے۔ وہاں جو دیکھتے ہیں تو ڈپٹی فتح علی خاں صاحب موجود ہیں ع

تو گوئی ہمہ تخت سہراب بود

لوٹا فوراً زمین پر رکھا یا۔ جھک کر سلام کیا۔ اور پھر لوٹا وہیں چھوڑ کر فرار ہوئے تو کہا جاتا ہے۔ کہ جب تک ڈپٹی فتحعلی خاں صاحب اسی ضلع میں رہے۔ بابو گنیش لال کو کسی نے عدالت کے احاطہ میں نہیں دیکھا"

" فی الحال مجھے یہ بتائیے کہ اچھے سے اچھے کھانے سے علاج کرنا کس اصول پر مبنی ہے۔ اور پھر یہ اصول اگر صحیح بھی ہو تو آپ بتائیے کہ ہندوستان ایسے مفلس ملک میں آپ کا یہ علاج کس طرح پر کامیاب ہو سکتا ہے۔ فرمایا۔ ہندوستان کے لوگ ڈاکٹر درناف کے علاج المامون بالمیموں کے متحمل ہو سکتے ہیں تو پھر علاج بالغذا کے کیوں نہ متحمل ہوں گے؟ میں نے کہا۔ مرشد خوب یاد دلایا۔ اور یہ تو بتائیے یہ علاج بالغذا دوا آپ کے نزدیک کیسا ہے۔ فرمایا علاج بیمونی بھی بالکل ابتدائی مراحل میں ہے۔ ایک وقت ایسا آئے گا کہ لوگ علاج بالاعضاء کرائیں گے اور آج سے کم و بیش سو سال کے اندر آپ دیکھیں گے کہ طبیبوں کو کوئی پوچھے گا بھی نہیں "

"حمورابی"

رسالہ جن کے گزشتہ پرچے

بہ حساب ایک آنہ (۱) فی پرچہ ٹکٹ بھیج کر طلب فرمائیے۔ رسالۂ جن اپنے موضوع کے لحاظ سے ہندوستان میں پہلا پرچہ تھا جو اڈیٹر نگار کی ادارت میں دو سال تک نکلتا رہا

اِن پرچوں میں جس قسم کے مضامین نکل چکے ہیں۔ وہ اب کبھی میسّر نہیں آسکتے ——

منیجر نگار لکھنؤ

بازی گر

رآلفو۔ مصری بازی گر کا نام ہر شخص کی زبان پر تھا۔ تمام شہر میں اس کے کمالات کی دھوم مچی ہوئی تھی۔ ضعیف الاعتقاد لوگ تو اس کے بعض کرتبوں کو معجزات سے تعبیر کرنے لگے تھے۔ عقل میں نہ آنے والی باتیں ہمیشہ تحیر خیز ثابت ہوتی ہیں۔ اور یقیناً کمال اسی چیز کا نام ہے۔ کہ ایک مرتبہ اصحابِ عقل و دانش بھی اپنے دل سے یہ سوال کرنے کے لئے مجبور ہو جائیں کہ کیا ایسا ہونا ممکن ہے؟" بعض نقاد کی رائے تھی کہ وہ علم تنویم کا ماہر ہے۔ اور محض اپنی قوت مقناطیسی سے کام لے کر ناظرین کے احساسات عارضی طور پر مسحور کر دیتا ہے۔ اس طرح کہ ہر شخص کو وہی چیز نظر آتی ہے۔ اور وہی آواز سنائی دیتی ہے۔ جس کا تصور وہ خود اپنے ذہن میں کرے۔ بہرحال حقیقت جو کچھ بھی ہو۔ مگر یہ واقعہ ہے کہ گذشتہ ہفتہ کی رات میں، اور کرشن بھی دم بخود رہ گئے

ہم دونوں دوست جب تماشہ گاہ میں داخل ہوئے تو اسٹیج کے سامنے رنگین پردہ آویزاں تھا۔ کیونکہ وقت معینہ میں ابھی چند منٹ باقی تھے۔ تمام نشستیں بھر چکی تھیں۔ اور کہیں تل رکھنے کو جگہ باقی نہ تھی۔ پھر بھی شائقین کا سلسلہ کسی طرح ختم نہ ہوتا تھا۔ ٹھیک ساڑھے نو بجے موسیقی کی ایک دلنواز لے کے ساتھ پردہ اُٹھا۔ بوڑھا رآلفو اپنے اصلی لباس میں نقرئی اور طلائی تمغے آویزاں کئے ہماری نظر کے سامنے تھا۔ مختصر الفاظ میں اس نے تمام ناظرین کی تشریف آوری کا شکریہ ادا کیا اور اس رات کا لائحہ بتا کر پسِ پردہ چلا گیا

دوسرا پردہ اٹھا اور اس کے کمالات کی نمائش شروع ہو گئی۔ تمام کام وہ خود کرتا تھا۔ صرف دو خواتین معمولی معاونین کی حیثیت سے شریک عمل تھیں۔ ہر کھیل کے بعد ایک منٹ کے لئے پردہ گرتا اور پھر اٹھ جاتا۔ پہلا شعبدہ ختم ہونے کے بعد ہم نے رائے قائم کی کہ شاید یہ اس بازی گر کا شاہکار ہے۔ مگر ہمیشہ دوسرے شعبدے نے ہماری توقع کو پامال کر دیا۔ تمام فضا خاموش تھی اور ہر شخص پر ایک سکوت طاری تھا

تفصیل اگرچہ خالی از دلچسپی نہیں مگر وقت طلب ضرور ہے۔ تاہم آخری شعبدہ کو جو بلاشبہ شاہکار کا درجہ رکھتا ہے نظر انداز کر دینا ناممکن ہے اس شعبدہ کو "نقاب پوش نشانہ باز" کے نام سے موسوم کیا جائے تو بہتر ہے۔ اس قسم

کے کھیل سینکڑوں مرتبہ مشاہدہ میں آئے ہیں۔ مگر اس قدر مہارت کے ساتھ کبھی دیکھنا نصیب نہیں ہوا۔ کرشن تو اس درجہ متاثر ہوا کہ انتہائے استعجاب کے باعث دیر تک اسکی زبان کو جنبش نہ ہو سکی

پردہ اٹھنے پر ہم نے دیکھا کہ لکڑی کا ایک قدِ آدم تختہ سیدھا کھڑا ہے۔ اور اس کے بالکل قریب ایک خاتون دونوں ہاتھوں کو افقی حالت میں پھیلائے کھڑی مسکرا رہی ہے۔ ایک دوسری خاتون نے اسٹیج پر آکر رآلفو کی آنکھوں پر موم جامہ کی پٹیاں اس کثرت سے لپیٹ دیں کہ دکھائی دینے کا کوئی امکان نہ رہا۔ پھر اس بازی گر نے کمر میں کسی ہوئی پیٹی میں سے چھریاں نکالیں اور تختہ کی طرف رُخ کئے بغیر نشانے مارنے شروع کئے۔ ہر بار چھری ایک مخصوص جگہ لگتی اور نرم تختہ میں پیوست ہو جاتی۔ حتےٰ کہ اس خاتون کا سران کے درمیان محصور ہو گیا۔ اس تمام دَوران میں اس نے ایک دفعہ بھی تختہ کی طرف اپنے پہرے کا رُخ نہیں کیا۔ اور نہ ایک جگہ ساکن رہا۔ بلکہ ادھر اُدھر ٹہل کر چھریاں پھینکتا رہا۔ اس کے بعد ایک دوسری عورت نے آکر ان موم بتیوں کو روشن کر دیا جو ایستادہ خاتون کے جسم سے بالکل قریب تختہ کے چاروں طرف ترتیب سے لگی ہوئی تھیں۔ بازی گر نے پستول نکالا۔ اور بدستور اپنی شانِ استغنا کے ساتھ کلائی کو نصف دائرے کی شکل میں گھماتے ہوئے فائر کرنے شروع کر دئے۔ پستول کی ہر آواز کے ساتھ ایک بتی گل ہو جاتی۔ یہاں تک کہ ایک بھی باقی نہ رہی

پردہ گر گیا۔ اور اختتام سے قبل رآلفو نے دوبارہ منظرِ عام پر آکر محض سر کی ایک خفیف جنبش سے تمام حاضرین کا شکریہ ادا کیا اور چلا گیا

دوسرے دن کرشن نے کہا کہ تماشہ ایک بار پھر دیکھا جائے۔ اور ساتھ ہی مصر ہوا کہ وقتِ معینہ سے ایک گھنٹہ قبل چل کر اس بوڑھے بازی گر سے مُلاقات بھی کی جائے۔ میرا بھی دل للچایا کہ ایسے شخص سے ضرور گفتگو کرنی چاہئے۔ لہٰذا ہم دونوں بہت پہلے تھیٹر پہنچ گئے۔ کیونکہ رآلفو اسی جگہ ایک مختصر کمرے میں مقیم تھا

ملازم کے ہاتھ کارڈ اندر بھیجے گئے۔ جس کے جواب میں ہم کو اندر طلب کر لیا گیا۔ ہمارے داخل ہونے پر رآلفو نے کرسی سے اٹھ کر استقبال کیا اور کرسیاں پیش کیں۔ کرشن نے بیٹھتے ہوئے کہا

" میں آپ کے کمالات کی خوبیوں کو شرمندۂ الفاظ کرنا مناسب نہیں سمجھتا۔ گذشتہ رات ہم دونوں موجود تھے۔ اور آپ نے محسوس کر لیا ہوگا کہ ہال کی فضا کا سکوت، حاضرین کا استعجاب کیا معنی رکھتا تھا۔ فن کی صحیح تعریف کرنا صرف اربابِ فن کا حصہ ہے۔ عام لوگ محض اظہارِ پسندیدگی کر سکتے ہیں۔ آپ کی شریکِ کار خاتون بھی ہر لحاظ سے تعریف کی مستحق ہے۔ ایک خطرناک ماحول میں کھڑے ہو کر مسکرانا بڑے دل جگر کا کام ہے۔ کیونکہ بازی گر کو کتنی ہی مہارت ہو جائے مگر یہ امر قرینِ قیاس ہے کہ ہاتھ کی خفیف سی لغزش معمول کی زندگی کو ختم کر دے "

رآلفو خاموش تھا۔ اور اس کے چہرے سے حزن و ملال کے آثار ہویدا تھے۔ کرشن کی بات ختم ہونے پر اس نے کہا

"آپ نے جس قدر تعریف و توصیف کی وہ جناب کا حسن ظن ہے۔ میں اس کا مستحق نہیں ہوں۔ بہرحال اس عزت افزائی کا شکریہ۔ اب جبکہ آپ اظہار ہمدردی کر رہے ہیں تو میرا جی چاہتا ہے کہ اپنے دل کی درد بھری داستان آپ کے گوش گزار کردوں تاکہ ان آلام کا بوجھ کسی حد تک کم ہو جائے جو عرصۂ دراز سے میری روح پر مسلط ہیں۔ زندگی میں پہلی بار میرا یہ راز آپ پر منکشف ہوگا۔ لیکن بالکل رازدارانہ طریقہ پر آپ سے استدعا ہے کہ اس کو اپنے ہی تک محدود رکھیں۔ آپ کو اور شاید کسی کو بھی یہ علم نہیں کہ وہ خاتون جو تختہ کے قریب کھڑی ہوتی ہے خود میری شریک حیات ہے۔ اور میں یہ کھیل صرف اس کی جان لینے کی غرض سے کرتا ہوں۔ لیکن آج تک کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ قصہ بہت طویل ہے۔ یہی مختصراً عرض کروں گا آج سے پانچ سال قبل میں ایک عظیم الشان سرکس کا مالک تھا۔ سیکڑوں کھلاڑی میرے ملازم تھے۔ ہم شہر در شہر ملک بہ ملک اپنے کمالات دکھا کر دولت جمع کرتے پھرتے تھے۔ پانچ سال ہوئے فرانس میں ہمارا قیام تھا۔ ایک روز حسب معمول کھیل سے فارغ ہو کر میں تبدیل لباس کی غرض سے کمرے میں داخل ہوا تو میں نے دیکھا ——— اُف! ——— کس زبان سے کن الفاظ میں کہوں ——— میں نے دیکھا کہ میری بیوی ایک غیر شخص کے ساتھ ہم آغوش ہے۔ چونکہ میں یہ چاہتا تھا کہ ان کو اس کی خبر نہ ہو کہ میں ان کی پوشیدہ سیاہ کاری سے واقف ہو گیا ہوں۔ اس لئے فوراً اُلٹے پاؤں باہر آگیا۔ مگر معلوم نہیں۔ کس طرح میری بیوی کو اس کا علم ہو گیا۔ تاہم وہ خائف نہیں ہوئی۔ وہ ہمیشہ سے دیدہ دلیر ہے۔ اور کسی بات کو مطلق اہمیت نہیں دیتی۔ میں نے اس روز سے آج تک اس کے سامنے اس موضوع پر گفتگو نہیں کی۔ اور نہ اپنے طرز عمل میں کسی قسم کی تبدیلی کی البتہ ایک زبردست مگر خاموش انتقام کی تیاری شروع کر دی۔ میں نے اپنی بڑھی ہوئی شہرت کو اپنے ہاتھوں خاک میں ملا دیا تمام کھلاڑیوں کو برطرف کر کے سرکس کے شیرازہ کو بکھیر دیا۔ اب ہم صرف تین آدمی ——— ہیں۔ میری بیوی اور ایک قابل اعتماد ملازمہ تمام کھیل پیش کرتے ہیں۔ اس سانحہ سے قبل ایک جاپانی خاتون تختہ کے سامنے کھڑے ہو کر اس خدمت کو انجام دیتی تھی جو اب میری بیوی کے ذمہ ہے۔ میں اس روز سے کوشش کر رہا ہوں۔ کہ اپنی بے وفا رفیقہ کو کھیل کے دوران میں تماش بین حضرات کی نگاہ کے سامنے منظر عوام پر ہلاک کر کے جذبۂ انتقام کو سرد کر لوں۔ میں صدہا ذرائع سے اس کی زندگی کا خاتمہ کر سکتا ہوں۔ مگر مجھے منظور نہیں۔ صرف یہی طریقہ پسند ہے۔ تعجب ہے کہ مصمم ارادہ کر لینے کے باوجود آج تک مجھ سے یہ غلطی سرزد نہیں ہوئی۔ میں دانستہ طور پر اپنے ہاتھ کو خلاف اصول گھما کر چھری پھینکنے اور غیر متعینہ اوقات میں پستول کی لبلبی دبانے کی کوشش کرتا ہوں۔ مگر بے سود۔ کمنہ مشقی کے باعث میرے تمام اعضا لوہے کی مشین کی طرح بے خطا کام کرتے ہیں۔ میری دیرینہ مہارت اُس درجۂ کمال تک پہونچ گئی ہے جب عامل سے لغزش ہونے کا امکان باقی ہی نہیں رہتا۔ شاید آپ یقین نہ کریں گے۔ ایک دن جان بوجھ کر میں نے اپنا ہاتھ جلا لیا۔ محض اس خیال سے کہ ..... شاید اس کی سوزش و تکلیف سے غلطی کرنے کا موقعہ مل جائے۔ ایک دن سخت بخار کی حالت میں اپنا کھیل جاری رکھا۔ مگر افسوس ہے کہ میں اپنے ارادہ میں کامیاب نہ ہو سکا۔ غلطی کرنا اب میرے لئے قطعی ناممکن

ہوگیا ہے - میری اس کمزوری کو میری بیوی خوب سمجھتی ہے - اور دل ہی دل میں خوش ہوتی ہے کہ مجھے اپنے اعضاء پر قدرت حاصل نہیں - آپ نے بجا ارشاد فرمایا کہ ایک خطرناک ماحول میں کھڑے ہوکر مسکرانا بڑے دل جگر کا کام ہے - لیکن وہ صرف آپ کے نزدیک خطرناک ہے - میری بیوی اس کو بچوں کا کھیل تصوّر کرتی ہے - اس کا تبسّم بھی مصنوعی ہوتا ہے - کیونکہ یہ حقیقت ہے کہ کوئی شخص ایک ہی کیفیت کے ماتحت ایک لمحہ سے زیادہ نہیں مسکرا سکتا - اس کے تبسّم میں ایک طنز پنہاں ہے - جو میرے لئے سوہانِ روح ہے - میں غم والم کی زندگی بسر کرکے خود اپنی ہستی کو تباہ و برباد کر رہا ہوں - درانحالیکہ اس بے وفا کا بال بھی بیکا نہیں ہوتا - کیا آپ دونوں میں سے کوئی صاحب ایسی تدبیر بتا سکتے ہیں - جس پر عمل کرنے سے میری مہارت کو ترقیِ معکوس حاصل ہوسکے - میرا فن انحطاط کے تمام مدارج کو طے کرکے ایسے نقطہ پر آجائے - جہاں سوائے لغزش کے اور کچھ نہیں ہوتا "

" خدا آپ پر رحم کرے " میں نے جواب دیتے ہوئے کہا - " بہتر ہے کہ آپ اس ارادے ہی کو اپنے دل سے ترک کردیں - اتنی طویل مدت میں، تو آتشِ انتقام ویسے بھی سرد پڑ جانی چاہئے "

"بے شک !" اس نے اعتراض کرتے ہوئے کہا - " یہ ایک نظریہ ہے کہ اسے سرد پڑ جانا چاہئے - لیکن عملی دنیا میں اگر ایسا نہ ہو تب ؟ "

میرے پاس اس کا کوئی جواب نہیں تھا

کرشن نے کچھ دیر سکوت کے بعد کہا - " اچھا ! آپ اپنی شریکِ حیات سے چند لمحے ملاقات کرنے کا موقع دیجئے ممکن ہے - اس کو دیکھ کر ہم کوئی مفید مطلب مشورہ دے سکیں "

رآلفو نے کچھ ایسے انداز سے آمادگی ظاہر کی جس سے معلوم ہوتا تھا - کہ وہ خود اس چیز کا آرزومند تھا - اس نے ہاتھ کے اشارے سے ہمیں ایک دروازے کے قریب بلا کر کہا

" دیکھو ! اسٹیج کے عقبی حصّہ میں اس وقت بھی وہ اسی انداز سے کھڑی ہے اس کا معمول ہے کہ کھیل شروع ہونے سے قبل وہ اپنے مخصوص طرزِ عمل کی مشق دُہرا لیتی ہے - تاکہ کھڑے ہونے میں خود اس سے غلطی نہ ہوجائے "

پھر اس نے اپنی بیوی سے مخاطب ہوکر کہا - " زنوبیہ ! دو شریف آدمی تم سے نیاز حاصل کرنے کے آرزومند ہیں - چند لمحے کے لئے یہاں آجاؤ "

اس کا رُخ ہماری طرف تھا - وہ اسی بے پناہ شانِ استغنا کے ساتھ اپنے نقرئی بازوؤں کو افقی حالت میں پھیلائے کھڑی مسکراتی رہی - اور ایک قدم بھی آگے نہ بڑھایا

یکایک میرا دوست ایک قدم آگے بڑھا اور پھر فوراً ہی پیچھے ہٹ کر پُر غضب نگاہوں سے بازی گر کو گھورتے ہوئے کہنے لگا

"تم مکار ہو۔ تم نے ایک گھنٹہ تک اپنے فرضی افسانے سے ہمیں دھوکا دیا۔ دیکھو! تمھاری بیوی کے دائیں پاؤں پر ایک چھوٹا سا سانپ چڑھا جا رہا ہے۔ اور اسے خبر نہیں۔ کھڑکیوں سے آنے والی ہوا کے باعث دروازوں کے پردے۔ چھت گیری کا کاغذ اور گلدستہ کی پتیاں وغیرہ جنبش میں ہیں۔ مگر تمھاری بیوی کا ملبوس حرکت نہیں کرتا یقیناً وہ کوئی زندہ عورت نہیں ہے بلکہ مجسمۂ غیر ذی حیات ہے۔

رالفو کے چہرے کا حزن وملال فوراً مسرت وانبساط میں تبدیل ہوگیا۔ وہ کہنے لگا

"آخرکار! آپ حقیقت کی تہ کو پہونچ گئے۔ اچھا! آج رات آپ دونوں دوست اسٹیج کے ایک پوشیدہ مقام پر بیٹھ کے ہمارے کمالات دیکھیں۔ آپ کو معلوم ہوجائے گا۔ کہ ہر چیز میں حقیقت کا شائبہ کس قدر کم ہے۔ اور جس چیز کو آپ کمالِ فن سمجھتے ہیں۔ وہ فریبِ نظر کے سوا کچھ نہیں"

طاہرہ دیوی (شیرازی)

شہوانیات یا ترغیبات جنسی

حضرت نیاز کے قلم سے

جس میں فحاشی کی تمام فطری وغیر فطری قسموں کے حالات اور اُن کی تاریخی ونفسیاتی اہمیت پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے اس میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ مذاہب عالم نے اس کے رواج میں کتنی مدد کی اور آیندہ اخلاق انسانی کی بنیاد کن اصول پر قائم ہونا ہے الغرض اپنی نوعیت کے لحاظ سے یہ کتاب بالکل نئی چیز ہے اور ایک بار شروع کرنے کے بعد بغیر ختم کئے ہوئے آپ اسے چھوڑ نہیں سکتے۔ اس کتاب میں ایسے حیرت انگیز واقعات درج ہیں کہ آپ نے کبھی سُنے نہ ہوں گے۔ اگر آپ نگار کے خریدار ہیں تو علاوہ محصول ۸ر کے مجلد کتاب صرف ۱؎ میں اور غیر مجلد ۱؎ میں ملے گی اور اگر آپ نگار کے خریدار نہیں ہیں تو مجلد ۱؎ میں اور غیر مجلد ۱؎ میں علاوہ محصول ۸ر کے ملے گی

نگار

ارشاد ہو تو کتاب ذریعۂ وی۔پی روانہ کی جائے حجم ۲۷۵ صفحات۔ آرڈر میں مجلد وغیر مجلد کی صراحت ضروری ہے

منیجر نگار لکھنؤ

"نیازمندانِ لاہور" سے

ہندوستان کو اگر یورپ فرض کیجئے تو پنجاب اس کا جرمنی ہے اور افریقہ تصور کیجئے تو وہ اس کا مصر ہے۔ وہ زندگی اور زندہ دلی کا ایک مجسمہ ہے اور ہمارے ہر سوال کا جواب ہاں کی سرزمین میں موجود ہے۔ ٹیگور کا جواب اقبال، سروجنی نیڈو کا جواب مسز شاہنواز اور سیٹھ برلا کا جواب عبدالقادر قصوری ہیں

آریہ سماج۔ کانگرس اور سیوا سمتی کی دوکان۔ قادیانیوں۔ احراریوں اور انجمن حمایت اسلام والوں کی سرگرمیوں سے سرد ہے

اُردو جو یو۔پی میں ضعیف ہوکر دم توڑ رہی ہے۔ اور دکن میں ابھی شیرخوارگی کی حالت میں ہے۔ پنجاب میں جوان نظر آتی ہے۔ "انقلاب" ہندو فرقہ وارانہ ذہنیت کا دنداں شکن جواب ہے، تو "ہمایوں" "نیرنگ خیال کے خاص نمبر" اور "کارواں کے سالنامے" وغیرہ اچھے سے اچھے مغربی رسائل کی صف میں رکھے جاسکتے ہیں

اور چونکہ یہ اُردو کا تذکرہ ہے نہ کہ ہندو مسلم کا اس لئے مجھے کہنے دیجئے کہ پنجاب کے وسیع دامن میں پریم چند کا جواب "سدرشن" بھی موجود ہے

اس سلسلہ میں لالہ لاجپت رائے آنجہانی (ایک ہندو مگر نمازی باپ کے بیٹے) کرنل بھولانا تھ اور اڈیٹر "پارس" کو بھی ہمیں فراموش نہ کرنا چاہیئے۔ مختصر یہ کہ سارے ہندوستان میں یہی ایک خطہ ہے جہاں اُردو کو بحیثیت زبان عزت کی کرسی ملی

سر اقبال، جسٹس عبدالقادر، حکیم احمد شجاع، سید ممتاز علی (جنھوں نے سرسید ہی کی رائے سے مردوں کی "تہذیب الاخلاق" کے جواب میں عورتوں کے لئے "تہذیب النسواں" جاری کیا تھا) اور چغتائی سے کون واقف نہیں جو اُردو ہی کی خدمت کی وجہ سے خطاب یافتہ بنے

پس ہر وہ شخص جو کسی حیثیت سے بھی اُردو کا قدردان یا بہی خواہ ہے اُردو پر پنجابیوں کا مربیانہ حق ماننے کے لئے مجبور ہے

بھلا۔ مہر و سالک۔ تاج و پطرس۔ تاثیر و چغتائی۔ عبدالعزیز و حفیظ اور ظفر علی خاں وغیرہم کی مبارک سرزمین کی قدر وہ کون "کافر" ہے جو نہ کرے

اس صورت میں دہلی و لکھنؤ والوں کا (اُردو کے باوا آدم ہونے کی حیثیت سے) یہ فرض تھا اخلاقی و تنقیدی دونوں کہ وہ بیگانوں کی اس "یگانگت" کو سراہتے۔ ان کی اس محیر العقل سعی و کاوش۔ جد و جہد اور عمل و ایثار کی بیش از بیش داد دیتے اور فخر کرتے نہ کہ خود تو ہاتھ پر ہاتھ دھرے منتظر فردا بنے بیٹھے رہیں اور اُن کے راستے میں روڑے اٹکائیں ——— یہی وہ طرزِ عمل ہے جس کے لازمی نتیجہ سے یو۔پی میں اُردو کے چشمے بقول شخصے خشک ہو گئے ہیں اور اب حالت یہ ہے کہ یہاں ادب اُردو صرف ایک سسکتا ہوا سانپ رہ گیا ہے جو ایک نحیف سی پھنکار... (یعنی تنقید) سے اپنی زندگی کا کبھی کبھی ثبوت دیتا رہتا ہے

قرنہا قرن کے مقررہ قواعد اُردو کے ماتحت زبان کی وہ بلند بانگ تنقید جو سراسر تنقیص ہو کیا کبھی "نشتر زن کی بے رحمی" سے تعبیر کی جا سکتی ہے، نہیں اس کے لئے سانپ کی پھنکار ہی مناسب تشبیہ ہے

یو پی کے تنقید نگاروں کی یہ حیثیت (نگار و نیاز سے قطع نظر کر کے) بالعموم ایک ہی سی ہے جس میں مشکل ہی سے کوئی استثناء نظر آ سکتا ہے۔ الا ماشاء اللہ

ان کے برعکس "نیازمندانِ لاہور" کی شان ملاحظہ فرمائیے: "کارواں" کی اسی اشاعت میں (جس میں یو پی والوں کے اس جارحانہ طرزِ عمل پر انھوں نے پروٹسٹ کیا ہے) جس خوبصورتی سے "نیازمندانِ لاہور" نے "معراج" کے مذکر ہونے کی تائید اور مؤنث ہونے کی "تنسیخ" خود ناسخ کے شعر سے کی ہے وہ داد سے مستغنی ہے

اب گو تیر کمان سے نکل چکا ہے تاہم اس کی گنجائش اب بھی ہے کہ نام نہاد نقادانِ ادب شرمائیں اور گریباں میں منہ ڈال کے اپنے ان حریفوں سے عالی ظرفی کا سبق لیں

تصویر کا ایک رُخ تو یہ تھا

دوسری طرف نیازمندانِ لاہور سے بھی دبی زبان سے ہمیں کچھ عرض کرنا ہے

وہ یہ کہ یو۔پی کے تنقید نگاروں کے خراب عمل سے متاثر ہو کر یعنی جوش میں بیخود ہو کر خدارا آپ اعتدال کا سررشتہ ہاتھ سے نہ چھوڑئیے

مجھے خوف ہے کہ آپ کا موجودہ پُرجوش اقدام، بطور ردِ عمل کہیں کمال پاشا کا اقدام نہ ہو!

کمال پاشا، مسلمان ہیں اور ایسے مسلمان جن پر عالم اسلام کو فخر و ناز ہے

مگر چونکہ ترکی سلاطین کے افسوس ناک طرزِ عمل کے بعد ردِ عمل ہونا ضروری تھا۔ اور ردِ عمل اور بے اعتدالی کا چولی دامن کا ساتھ ہے اس لئے ردِ عمل بھی ہوا اور بے اعتدالی بھی!!

ردِ عمل کا نتیجہ دنیا نے ہمیشہ نقصان و خسران کی صورت میں برداشت کیا ہے

عیسائیت، ایک تشنۂ تکمیل انسانیت تھی اس لئے راستے میں اس نے قدم قدم پر ٹھوکریں کھائیں حتیٰ کہ دنیا مذہب کے نام سے بیزار ہو کر دہریت کے استقبال پر تیار ہو گئی

اسلام، دہریت و مذہب کے اسی درمیانی شگاف کا پیوند اور انسانیت کے اسی زخم کا مرہم تھا۔ لیکن مولویوں کی بے اعتدالی سے وہ بھی درمانِ درد نہ ہو سکا

انقلاب فرانس کی "جمہوریت" دراصل شہنشاہیت یا مطلق العنانی کا ردِ عمل تھی۔ مگر چونکہ اس ردِ عمل میں بے اعتدالی پیدا ہو گئی اس لئے صحیح راستہ پھر بھی نہ مل سکا۔ شہنشاہیت کا ایک انتہائی سرا چھوڑ کر دوسرا انتہائی سرا گلے کا ہار ہو گیا

لو۔ بی کے تنقید نگاروں سے بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے نیاز مندانِ لاہور نے

تو نے الفت مجھ سے کرنی ہے تو کر میرے لئے

کو جائز قرار دیا ہے۔ یعنی بجائے "تجھے" کے "تو نے" کو بطور ایک پنجابی محاورے کے رائج کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے، ——— اس لئے کوئی شک نہیں کہ اہل پنجاب کو تصرفات کا پورا پورا حق حاصل ہے تاہم اتنا عرض کر سکنے کی اجازت ہونی چاہیے کہ صرف انفرادی رائے پر بھروسہ نہ کیا جائے۔ البتہ اگر تمام پنجابی اہل قلم اس تصرف پر متفق ہو جائیں تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ چشم ما روشن و دل ما شاد۔ اب رہی لطافت! سو اس کے متعلق مجھے کچھ نہیں کہنا بجز اس کے کہ دہلی و لکھنؤ کا حریفانہ اختلاف اظہر من الشمس ہے۔ مگر آپ دیکھتے ہیں کہ وہ ایک دوسرے کے محاورے پر مضحکہ اڑانے کی کبھی کوشش نہیں کرتے

اس کی وجہ آپ سمجھے کیا ہے؟ وجہ یہ ہے کہ لکھنؤ اسکول اسوقت تک دہلی کی ماتحتی سے آزاد ہی نہیں ہوا جب تک اس کی ایجاد میں "اجتہاد" کی بو پیدا نہ ہو گئی

بھلا ملائی کو "بالائی" کہنے یا کم از کم ماننے سے کون نازک خیال انکار کر سکتا ہے۔ سچ ہے

نقاش نقشِ ثانی بہتر کشد ز اوّل

اس اعتبار سے کہ "تجھے کرنی ہے" کے بجائے "تو نے کرنی ہے" عام محاورۂ پنجاب ہے نیز اس میں کوئی ثقالت یا کثافت بھی نہیں ہے۔ مخصوص حالات کی بنا پر یہ تصرف قابل قبول ہو سکتا ہے۔ لیکن عام طور پر یہ طریقہ اختیار کر لینا ناعاقبت اندیشانہ بے راہ روی ہے

کتابی اُردو چھوڑ کے مقامی اُردو شروع کر لینے سے پہلے اس پر بھی غور کر لینا ضروری ہے کہ "میں جاتا ہوں" کے بجائے "میں نے جاتا ہوں" جائز کر کے آئندہ آگرہ والوں کے لئے "میں جاؤں ہوں" بریلی والوں کے

لئے " میں جاریا اوں " بھوپال والوں کے لئے " اپن جاتے ہیں " صاحب لوگوں کے لئے " ہم جانا مانگتا ہے " اور دیہاتیوں کے لئے " ہم جائت ہیں " وغیرہ کی بھی گنجایش اسی جادو کے پٹارے میں نکالنی پڑے گی

صورتِ حال کو زیادہ واضح طور پر سمجھنے کے لئے ایک ایسی عورت کا تصور کیجئے جو حسنِ صورت کا ایک اچھا نمونہ ہونے کے علاوہ ظاہری زیب و زینت اور تزئین و آرائش کے اعتبار سے بھی مکمل ہے۔ لیکن یہ ایں ہمہ خوبی ایک ذرا سا اس میں عیب بھی ہو ..... یعنی صرف کانی " ..... ہو

بعینہ یہی مثال زبان کی تمام معنوی خوبیوں کے خال پر " غلطی کے مسہ " کی دی جاسکتی ہے البتہ زبان کی ظاہری صفائی اور پاکیزگی میں اس قدر غلو بھی نہ ہو جانا چاہئے کہ وہ ایک ایسا " خوبصورت مردہ " بن کے رہ جائے جس کے ہاتھ پاؤں، آنکھ کان ناک وغیرہ تمام اعضا، تو صحیح و سالم ہوں مگر روح نہ ہو

ہم یہ نہیں کہتے دہلی یا لکھنؤ اور لاہور کی زبان میں کوئی فرق نہ ہو۔ ہم تو صرف یہ چاہتے ہیں کہ یہ فرق بڑھتے بڑھتے فارسی اور سنسکرت یا زمین آسمان کا فرق نہ ہو جائے۔ فرق ہو اور شوق سے ہو مگر یہ فرق زیادہ سے زیادہ " فرنگی اور امریکی انگریزی " یا " حجازی اور مصری عربی " سے زیادہ نہ ہو

عقیل ناظر حسین جعفری (خیرآباد)

فراست التحریر مکمل

یعنی اُردو، انگریزی رسم الخط اور انداز تحریر دیکھ کر ایک شخص کی سیرت، چال چلن مستقبل اور تمام حالات معلوم کرنے کا فن۔ اُردو میں بالکل پہلی کتاب۔ قیمت ۸ر (علاوہ محصول)

فلسفۂ مذہب

اگر آپ مذہب اسلام کو سمجھ کر۔ اس کی پیروی کرنا چاہتے ہیں تو اس کتاب کا مطالعہ کیجئے۔ موضوع کے لحاظ سے اُردو میں بالکل پہلی چیز ہے۔ قیمت عہ (علاوہ محصول)

محشرستان

حضرت محشر عابدی کے ان افسانوں کا مجموعہ ہے جو مختلف رسایل میں شایع ہو چکے ہیں۔ اور نہایت مقبول ہوئے ہیں۔ قیمت غیر مجلد ۱۲ علاوہ محصول ۸ر

ترکی جمہوریہ

انقلاب ترکی کی بے مثل تاریخ۔ ایک زندہ قوم کی جد و جہد کی سبق آموز داستان۔ مصنفہ مسٹر ضمیر احمد ہاشمی ام۔ اے۔ قیمت ۸ر (علاوہ محصول)

مینجر نگار لکھنؤ

دُنیائے اسلام کا عظیم انقلاب

تاریخ کا منارہ ۔ تمدّن کا ستون ۔ قوموں کی زندگی کا اہم اصول اگر کوئی چیز ہے تو وہ صرف مذہبی اصول ہیں مذہبی اصول ہمیشہ قوموں کی زندگی کا نہایت اہم عنصر اور تاریخ کا نہایت نمایاں جزو رہے ہیں ۔ چنانچہ تاریخ کے عظیم الشان واقعات نے جو عظیم الشان نتائج پیدا کئے ہیں ان میں مذاہب کے بننے اور بگڑنے کا نتیجہ سب سے زیادہ اہم ہے ۔ گذشتہ اور موجودہ زمانہ میں جو اساسی مسائل قرار دیے گئے ہیں ان میں پہلا اساسی مسئلہ یہی مذہب تھا

ہمیں یہ پیش نظر رکھنا چاہیئے کہ تاریخ کے ابتدائی زمانہ سے آج تک ہر نظامِ حکومت اور ہر نظام تمدّن کا سنگِ بنیاد مذہبی عقائد کی سطح پر رکھا گیا ہے ۔ یہی معبود ہیں جنھوں نے انسانی زندگی کا سب سے بڑا دور تمثیل کیا ہے ۔ مذہب اس برق رفتاری سے اخلاق پر اثر ڈالتا ہے کہ اس معاملہ میں عشق کے سوا کوئی چیز اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی ۔ مگر عشق بھی تو ایک مذہب ہی ہے یہ دوسری بات ہے کہ وہ شخصی مذہب ہے اِس لئے ہمیشہ قائم نہیں رہتا اگر تم اس قوم کی حالت کا اندازہ کرنا چاہتے ہو جو صرف مذہب سے متاثر ہوکر بپھر گئی تو تم عروجِ اسلام کی تاریخ کو دیکھو

عروج اسلام تاریخ انسانی کا تعجب انگیز واقعہ ہے ۔ اس کی ابتدا ایسی سرزمین اور قوم سے ہوئی جو اوّلاً کسی شمار میں نہ تھی ۔ اسلام نے ایک ہی صدی میں نصف کرۂ زمین کو نورِ ایمان سے منور کر دیا ۔ اس نے بڑی بڑی سلطنتوں اور مدّتوں کے مستقل مذہبوں کو تہ و بالا کر کے نفوسِ اقوام کو نئی ترکیب دی اور ایک مکمل نئی دنیا یعنی دنیائے اسلام کی تعمیر کی

اعتقادات کے اندر ایک ایسا مؤثر جادو پنہاں ہے جو مزاج عقلی کو بالکل بدل دیتا ہے جو مذہب خوف سے نہیں بلکہ اُمید سے پیدا ہوتا ہے اس کا اثر دائمی ہوتا ہے ۔ اسلام نے انسان کی عقل کے سامنے سعادت کا دروازہ کھول دیا ہے ۔ اور اس بنا پر تمام موثرات سے ممتاز ہوگیا ہے ۔ اور فلسفہ اس منزل سے کوسوں دُور ہے

اگر ہم سیاسی حیثیت سے بھی نگاہ ڈالیں تو ہم کو معلوم ہوگا کہ مذہبی عقائد کا اثر کس قدر شدید ہے ؟ مذہب کی عظیم الشان قوت کا سبب صرف یہ ہے کہ وہ ایک زمانہ میں قوم کے فوائد قوم کے احساسات اور قوم کے خیالات کو متحد کر دیتا ہے - اس لئے وہ ان تمام عناصر کا جن سے قومی روح پیدا ہوتی ہے - دفعتہً قائم مقام ہو جاتا ہے — مذہبی قوت کے استیلا سے تمام قوتوں کا رُخ صرف ایک مقصد کی طرف ہو جاتا ہے - مذہب کی عظیم الشان طاقت کا راز اسی اصول کے اندر مضمر ہے - یہی وجہ ہے کہ دنیا کی جن قوموں نے کارہائے نمایاں کئے ہیں اسی قسم کے مذہبی انقلاب کے زمانہ میں کئے ہیں اور دنیا کی بڑی بڑی سلطنتوں کی تاسیس اسی دورِ انقلاب میں ہوئی ہے - اسلام نے قبائل عرب کو متحد کر دیا اور اسلام کی قوت سے اقوام عالم کو زیروزبر کر کے انھوں نے ایک عظیم الشان سلطنت قایم کر لی

نفس اعتقاد کوئی چیز نہیں ہے - اصلی چیز وہ قوت ہے جو عقائد کو دل میں مرتکز کر دیتی ہے - یہ قوت معبود حقیقی کا عطیہ ہے جو خدا اپنے مذہب کے قیام کے لئے عطا فرماتا ہے - خدا خود کہتا ہے لو انفقت ما فی الارض جمیعا ما الفت بین قلوبھم اگر تم زمین کی تمام دولت صرف کر ڈالتے تب بھی ان کے دلوں کو متحد نہیں کر سکتے چنانچہ اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی کی قوت نے دو ہی نسلوں میں چمکتے ہوئے ہلال - سیر پنیرے لے کر کوہ ہمالیہ تک اور صحرائے ایشیا کے متوسط سے لے کر صحرائے افریقہ متوسط تک نصب کر دیا

جن مذاہب کے معبود خود ساختہ ہوتے ہیں ان کے پرستاروں کے عزم و ارادہ میں شدت و صلابت نہیں ہوتی اس لئے ان کو کامیابی آہستہ آہستہ اور بہت کشمکش کے بعد حاصل ہوتی ہے - اور آخر کار کسی زبردست بادشاہ کی امداد سے جو خود اس مذہب کا مقلد ہو جاتا ہے اُن کو عروج حاصل ہوتا ہے - مسیحی مذہب کے لئے قسطنطین بودھ کے لئے اشوک اور زرتشتیوں کے لئے کیخسرو ایسے سلاطین نے جنھوں نے اپنے اختیار کردہ مذاہب کو اپنی عظیم مادی و دینوی قوت سے عروج کی منازل پر پہونچایا

ہر قوم کی سیاسی - اخلاقی اور صنعتی تاریخ اگرچہ اس کے مذہب سے پیدا ہوتی ہے - لیکن جس طرح مذہب نظام اخلاق پر اثر ڈالتا ہے اسی طرح خود نظام اخلاق سے متاثر ہوتا ہے - اس بنا پر ہر قوم کی زندگی کے رکن اعظم صرف دو ہیں - مذہب اور اخلاق - لیکن ہر قوم کا نظام اخلاق اپنے اصلی اوصاف کے لحاظ سے ہمیشہ قایم رہتا ہے اور اسی خصوصیت نے ہر قوم کی تاریخ کو متحد اور جامع و مانع بنا دیا ہے مگر مذہب اپنے اندر تغیر پذیری کی صلاحیت رکھتا ہے اور اسی تغیر کی بنا پر قوموں کی تاریخ میں بہت سے انقلابات کی سرگذشت نظر آتی ہے

معمولی مذہبی تغیر بھی مستقل و متواتر انقلابات کا پیش خیمہ ہوتا ہے - پہلی تین صدیوں سنہ ۶۵۰ء سے سنہ ۱۰۰۰ء تک بلاد اسلامی دنیا کے سب سے زیادہ مہذب اور سب سے زیادہ ترقی یافتہ حصے تھے - نصرانی مغرب سے جو ازمنہ مظلمہ سنہ ۴۷۶ء انحطاط سلطنت روما سے سنہ ۱۴۵۳ء تک فتح قسطنطنیہ تک، کی تاریکی چھائے ہوا تھا - اسلامی مشرق کا

کھلا ہوا مقابل بنا۔ دسویں صدی عیسوی سے انحطاط کے آثار نظر آنے لگے۔ اسلامی جمہوریت اور مذہبی شیفتگی کی جگہ خود مختاری اور دنیوی جاہ طلبی لینے لگی۔ عربی تمدن پر عجمی اثرات رفتہ رفتہ غالب آنے لگے۔ دنیائے اسلام کا وجود مسلمانوں کی قوتِ ایمان پر ہے کیونکہ قوت ایمان ہی اس عظیم الشان سلطنت کا سنگِ بنیاد ہے اس لئے جب قوتِ ایمان میں ضعف آنے لگا تو دنیائے اسلام کا انحطاطی دور شروع ہو گیا

۱۶۸۳ء میں جب ترکوں کی وائنا میں شکست ہوئی تو مسیحی یورپ کو یقین ہو گیا کہ دنیائے اسلام کی قوی ترین قوت دینی انتہائی کمزوری کو پہونچ گئی ہے اس وقت سے لے کر ترکی سلطنت پر بے رحمانہ مسیحی حملے متواتر ہو رہے ہیں۔ مگر اسلامی دنیا نے بہ ہیئت مجموعی مسیحی حملوں کی ضرب کا احساس انیسویں صدی کے قبل تک نہیں کیا۔ اٹھارہویں صدی کے دوران میں مغرب نے اسلامی صفوں کے پہلوؤں میں پھر مشرقی یورپ اور انڈیز میں حملہ کیا لیکن دنیائے اسلام کا ایک بڑا حصہ مراکش سے لے کر ایشیائے متوسط تک محفوظ رہا۔ اس وقفہ سے اسلامی دنیا نے کوئی نفع نہیں اٹھایا۔ اس وقت بھی اگر قوتِ ایمان کے کھوئے ہوئے سرمایہ کو جمع کر لیا جاتا تو آج صورتِ حال دگرگوں ہوتی

اس وقت دنیائے اسلام کا مقابلہ ایسے یورپ سے تھا جس کی سرگرمیاں صنعتی انقلاب سے بڑھ گئی تھیں۔ اور جدید علوم سے مسلح تھا۔ جدید اختراعات نے قدرت کے اسرار کو منکشف کر کے اس کے ہاتھ میں ایسے ہتیار دیدیئے تھے جو وہم و گمان میں بھی نہ تھے نتیجہ ناگزیر تھا۔ قوتِ ایمان سے محروم اسلامی سلطنتیں مغربی حملوں کے سامنے یکے بعد دیگرے زیر ہو گئیں۔ اور کل اسلامی دنیا بہت جلد مسیحی قوتوں میں تقسیم ہو گئی۔ انگلستان نے ہندوستان و مصر تاکا روس نے کوہِ قاف کے پار جا کر ایشیائے متوسط پر قبضہ کیا۔ فرانس نے شمالی افریقہ کو فتح کیا اور دیگر مسیحی اقوام نے اسلامی وراثت کے چھوٹے چھوٹے حصے پائے۔ ان فتوحات کا آخری درجہ جنگ عظیم میں ظاہر ہوا۔ اس جنگ کے اختتام پر جو صلح نامہ کے شرائط لکھے گئے ان سے دنیائے اسلام کی مغلوبیت کاغذ پر مکمل ہو گئی

کاغذ پر اس لئے کہ عین ظاہری کامیابی کے وقت مسیحی قوتوں کو ایسا چیلنج دیا گیا کہ جس کی مثال پہلے نہیں ملتی۔ اس مغربی فتوحات کے صد سالہ زمانہ میں دنیائے اسلام میں اہم اندرونی تبدیلیاں ہوتی رہیں۔ مغربی تعدی کے روز افزوں سیلاب نے آخر کار خوابیدہ مشرق کو بیدار کر دیا۔ اور دنیائے اسلام پر آخر کار یہ حقیقت روشن ہو گئی کہ "جب قوموں کے معبود پردۂ خفا میں چھپ جاتے ہیں تو وہ بہت دنوں تک زندہ نہیں رہتیں" اس حقیقت کے احساس نے پچیس کروڑ مسلمانوں میں مراکش سے لے کر چین تک اور ترکستان سے لے کر کانگو تک ایک ایسا ہیجان پیدا کر دیا ہے کہ جس نے اگرچہ خاص شکل ابھی تک اختیار نہیں کی ہے تاہم اس کی شدت اور قوت میں کلام نہیں ہو سکتا۔ پہلی چنگاری صحرائے عرب یعنی عہدِ اسلام میں روشن ہوئی اٹھارہویں صدی کے آغاز میں ایمان کے سرمایہ کے جمع کرنے کے لئے وہابی تحریک شروع ہوئی۔ جس نے فوراً حیاتِ اسلامی کی دبی ہوئی آگ کو بھڑکا دیا۔ اور

اسی سے اپنے موقع پر اتحاد بین الاسلامی شروع ہوا

محمد بن عبدالوہاب تقریباً ۱۷۰۰ء میں صحرائے عرب کے وسطی علاقہ یعنی نواح نجد میں پیدا ہوئے۔ جب خلافت کی شکل خداداد جمہوریت سے مشرقی مطلق العنانی میں تبدیل کی گئی تو آزادی پسند عرب متنفر ہوکر اپنے صحراؤں کو واپس چلے آئے۔ اور یہاں انھوں نے اپنی بدوی آزادی کو قایم رکھا۔ بے شک ترکوں نے ساحل بحر قلزم اور بلادِ مقدسہ پر قبضہ حاصل کرلیا تھا۔ لیکن نجد یعنی اندرونی وسیع حصّہ آزاد تھا۔ مذہب اور سیاسیات میں نجدی عرب اپنے اجداد کے عقائد کے مقلد تھے۔ اسلام کی سادگی اور جمہوریت پر وہ فدا تھے۔ عبدالوہاب کے علم و تقدس کی شہرت بہت جلد ہوگئی۔ سالہا سال تک وہ اطراف عرب میں گھومتے رہے اور بالآخر انھوں نے قبیلہ سعود سے شیخ محمد کو جو نجد میں سب سے بڑے سردار تھے۔ اپنا ہم خیال بنالیا۔ اس سے عبدالوہاب کو اخلاقی طاقت اور مادّی قوت حاصل ہوگئی رفتہ رفتہ صحرائی عربوں میں آغاز اسلام کا سا سیاسی اتحاد قایم ہوگیا۔ ۱۷۸۷ء میں عبدالوہاب نے اس دارِ فانی سے کوچ کیا سعود ان کے قابل جانشین ہوئے نجد کو مستحکم کرکے سعود نے دنیائے اسلام کو فتح کرنے کی تیاری کی اوّل منزل بلادِ مقدسہ تھی۔ انیسویں صدی کے اوائل میں بلادِ مقدسہ کو فتح کرلیا۔ ۱۸۱۴ء جبکہ سعود شام پر فوج کشی کررہے تھے فوت ہوگئے کچھ عرصہ کے لئے یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہابی کل مشرق کو خس و خاشاک سے صاف کرکے ایک ہی دور میں اسلام کو خرابیوں سے پاک کردیں گے لیکن تقدیر الٰہی یوں نہ تھی۔ سُلطان ترکی نے اپنے مشہور و معروف طاقتور نائب محمد علی کو جو اس وقت حکومت مصر پر قابض تھے وہابیوں کے مقابلہ کے لئے تعینات کردیا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں مقامات مقدسہ واپس لے لئے گئے اور وہابی افواج ریگستان میں پسپا کردی گئیں۔ پڑھنے والی وہابی سلطنت سراب کی طرح غائب ہوگئی اور وہابیت کا سیاسی دَور ختم ہوگیا

لیکن وہابیت کے روحانی دَور کا اب آغاز ہوا۔ نجد اصلاحی جوش کا مرکز رہا اور یہاں سے نئی روح کی تنویر اطراف عالم میں پھیلتی گئی۔ فریضۂ حج کی ادائیگی کے لئے تمام دنیائے اسلام سے جو حجاج آئے وہ پرجوش مصلح بنکر واپس گئے۔ اس نئے مذہبی جوش نے دور دراز مقامات میں ہلچل ڈال دی۔ مثلاً شمالی ہند میں ایک وہابی جانباز سید احمد نے ایک مذہبی سلطنت قایم کرلی مگر ان کی ناگہانی موت سے شمالی ہند میں وہابی فتوحات کا امکان جاتا رہا اس سلطنت کو سکھوں نے ۱۸۳۰ء میں برباد کردیا۔ اگرچہ سلطنت مٹ گئی لیکن اس کے اثرات قائم رہے۔ انھیں سنین میں مشہور سید محمد بن سنوسی اپنے وطن الجزائر سے مکہ آئے۔ اور اس نئے مذہبی جوش سے متاثر ہوکر اس عظیم بین الاسلامی اخوت کی بنیاد ڈالی جو ان کے نام سے موسوم ہے۔ فارس میں بابی تحریک اگرچہ اصولاً وہابیت سے بالکل بیگانہ تھی لیکن بلاشبہ یہ بھی وہابی اقتضا کا دوسرا پہلو تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک ہی قرن میں خالص وہابی تحریک بڑھ کر ایک عام تحریک یعنی دنیائے اسلام کے دَور جدید میں مبدل ہوگئی۔ اس میں بھی بجائے

خود مختلف صورتیں پیدا ہو رہی تھیں اور ان میں سے خاص تحریک وہ ہے جو اتحاد بین الاسلامی کہلاتی ہے اس تحریک کا جو سیاسی پہلو ہے اس کا ذکر انشاء اللہ تعالےٰ کسی دوسری صحبت میں ہوگا اس مضمون میں اسلامی بیداری کے دیگر پہلوؤں پر خصوصاً جنکا مذہب اور تمدن سے تعلق ہے غور کرنا ہے

وہابی تحریک صحیح معنوں میں خالص اصلاح تھی اس کا مقصد خرابیوں کی اصلاح ضعیف الاعتقادی کی رسومات کا انسداد اور ابتدائے اسلام کا احیاء تھا۔ ہر مذہبی اصلاح کی اول منزل یہ ہے کہ وہ اپنے ابتدائی عقائد کی طرف عود کرے۔ مذہبی مصلح کے لئے بدعات مابعد سے بلا لحاظ ان کے اوصاف کے انکار کرنا ہی اصلاح کا واحد ذریعہ ہے

موجودہ زمانہ کی اسلامی حریت کی ابتدا اگرچہ وہابی تحریک سے ہوئی لیکن اس میں شبہ نہیں کہ اسلام کسی زمانہ میں بھی احرار سے خالی نہیں رہا۔ دنیائے اسلام کے انحطاطی اور زوالی دور میں بھی ظلمت و گمراہی و باطل کے خلاف اعلاء کلمۃ الحق کے لئے بلند ہوتی رہیں۔ مثلاً سولہویں صدی میں علامہ الغزالی نے لکھا تھا کہ یہ ذرا بھی ناممکن نہیں ہے کہ وہ ادراک جو خدائے تعالےٰ نے ازمنہ ماضیہ کے لوگوں کو عطا نہ فرمائے ہوں آیندہ نسلوں کے لئے محفوظ رکھے ہوں۔ مبداء فیاض ہر قرن کے عقلاء کے قلوب پر اپنے انعام اور تجلیات کی کسی تراوش کو کبھی بیکار نہیں کرتا۔ اسلام کے عہد زوال کی ان حق پرست صداؤں نے زمانہ حال کے مصلحین کی ہمت بڑھائی اور انیسویں صدی کے وسط تک ہر اسلامی ارض میں احرار کی جماعتیں پیدا ہو گئیں بلاشبہ ان کی تعداد ابتدا میں ناقابل التفات تھی۔ مولویوں نے ان کی تکفیر کی اور عام جہال جو مولویوں کے زیر اثر تھے ان سے نفرت کرتے تھے لیکن رفتہ رفتہ ان کا خلوص۔ نیک نیتی۔ فداکاری اور قومی و دینی خدمات نے مولویوں کے مکر و فریب کے جال کو توڑ دیا

جنگ کریمیا کے بعد سے عبدالحمید کی خود مختاری کے زمانہ تک احرار ترک حکومت کی روح رواں تھے رشید پاشا اور مدحت پاشا جیسے احرار ترکی وزراء نے سلطنت عثمانی کی تجدید و آزادی کی حقیقی مگر ناکامیاب کوشش کی۔ سلطان عبدالحمید کے مظالم بھی ترکی حریت کو فنا نہ کر سکے یہاں تک کہ ۱۹۰۸ء کے انقلاب نے احرار ترکوں کو برسر اقتدار کر دیا۔ مصر میں حریت کی بنیاد مستحکم ہو گئی اور اس کے نمایندے شیخ محمد عبدہٗ رکن جامعہ ازہر ایسے آزاد خیال میدان عمل میں نظر آنے لگے

یہ احرار مصلحین بلاشبہ اسلامی تدریجی ترقی کے جزو ہیں یہ قدامت پسند بہترین معنی میں ہیں اور صحت بخش تبدیلی کے قبول کرنے والے ہیں تاہم وہ اپنے موروثی توازن کو قائم رکھنا چاہتے ہیں۔ یہ سچے مذہبی لوگ ہیں۔ اور ان کا ایمان ہے کہ اسلام زندہ اخلاقی قوت ہے اور قوت ایمان ہی نے انھیں میدانِ عمل

یمن کا حزن کیا ہے

عزیز احمد زبیری

(نگار) گفتگو اس امر میں نہیں کہ مذہب نے دُنیا میں حکومتیں قائم نہیں کیں، یا اپنے متبعین میں مرکزیت و یک جہتی پیدا نہیں کی، بلکہ سوال یہ ہے کہ اس نے قیام امن و سکون میں کتنا حصہ لیا اور بنی نوع انسان کو کس حد تک ایک شیرازہ سے وابستہ کیا

اگر آج تمام مسلمان ہم خیال ہو کر متفقہ قوت سے دوسری قوموں پر خروج کر کے ان کو تباہ و پامال کرنے میں کامیاب ہو جائیں تو کیا یہ کامیابی اس امر کی دلیل ہو سکتی ہے کہ مذہب اسلام سچا مذہب ہے، یا ایک مذہب کا انتہائی نقطۂ نظر صرف دنیاوی حکومت کا قیام ہوا کرتا ہے۔ اگر یہ نظریہ صحیح مان لیا جائے تو اس وقت عیسوی مذہب سے زیادہ سچا کوئی دوسرا مذہب نہیں ہو سکتا

کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں کے انحطاط و زوال کا سبب صرف یہ ہے کہ انھوں نے اپنے مذہب کو چھوڑ دیا۔ مدعا یہ کہ اس سے قبل کسی وقت جب وہ پابند مذہب تھے تو صاحب اقبال و عروج تھے، پھر آپ اس اقبال و عروج کا کوئی زمانہ متعین کیجئے یعنی دورِ عباسیہ لیجئے یا دورِ بنی امیہ، عہدِ خلفاء لیجئے یا کوئی اور زمانہ اس کا نمایاں ترین پہلو ملک گیری و وسعت حکومت کے سوا اور کچھ نظر نہ آئے گا، جس کا نام آپ نے عروج و ترقی رکھا ہے، اور اس سے انکار ممکن نہیں کہ اس سلسلہ میں کافی خونریزی سے کام لیا گیا

اس لئے جس حد تک محض نظریۂ مذہب کا تعلق ہے۔ آپ پاکیزہ سے پاکیزہ جذباتِ انسانیت و اخوت لوگوں کے سامنے پیش کر سکتے ہیں، لیکن دنیائے عمل میں مذہب نے سوائے خونریزی اور خون آشامی کے تاریخ کے صفحات پر کوئی اور نقوش نہیں چھوڑے

ایک مذہب کا انتہائی نقطۂ نظر اخلاقی حیثیت سے صرف یہ ہو سکتا ہے کہ وہ سرمایہ داری کو دنیا سے محو کر دے، لیکن آپ کسی مذہب کی تاریخ اٹھا کر دیکھئے، آپ کو معلوم ہوگا کہ وہی سب سے بڑا ذریعہ قیامِ سرمایہ داری کا بنا اور اسی لئے اس نے انسانی خون بہانے میں کبھی کوئی تامل نہیں کیا۔ اگر کہا جائے کہ یہ جو کچھ ہوا وہ سب تعلیمات مذہب کے منافی تھا، تو پھر مذہب کا خیال ہی اک لغو و بیکار خیال ہے کیونکہ دنیائے عمل میں وہ اس لحاظ سے کبھی کامیاب نہیں ہوا اور کوئی ایک تجربہ بھی اس کی موافقت میں پیش نہیں کیا جا سکتا

ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ اس وقت جبکہ مذہبی روح لوگوں میں بہت ضعیف ہو گئی ہے، کیوں وہ مدعا حاصل نہیں ہوتا، لیکن معترض نے اس پر غور نہیں کیا کہ حالت موجودہ قومیت و وطنیت کا جو جذبہ کام کر رہا ہے۔ اور جس نے ایک کو دوسرے کا دشمن بنا رکھا ہے، وہ بھی مذہب ہی کے اثراتِ باقیہ میں سے ہے۔ یعنی اگر مذہب پہلے خدا کا نام لے کر خونریزیاں روا رکھتا تھا تو اب خدمتِ ملک و قوم کے بہانہ سے جائز قرار دیتا ہے، اور اخوت عامہ کو عملاً رواج دینے

جو بے اعتنائی مذہب نے کسی وقت اختیار کی تھی وہ اب بھی اسی طرح پائی جاتی ہے اور ہمیشہ پائی جائے گی جب تک اقوام عالم اپنی تہذیب و معاشرت کا ماخذ اصلی مذہب کو قرار دیتی رہیں گی

کیا عیسوی تہذیب، اسلامی تہذیب اور ہندو تہذیب کی تفریق سے آپ مذہب کے خیال کو کسی وقت علیحدہ کر سکتے ہیں اور کیا کوئی قوم ایسی پائی جاتی ہے جس نے اپنی تہذیب مذہب سے بالکل علیحدہ ہو کر قائم کی ہو

اس لئے موجودہ عہدِ ترقی میں جبکہ مشرق و مغرب کا انسان ایک ہی نظامِ اقتصاد و تمدن سے وابستہ نظر آتا ہے، مذہب و قومیت سے گزر کر ایک اور بلند سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دنیا کا امن و سکون کیونکر قائم رہے، تمام بنی نوع انسان ایک رشتہ سے کس طرح وابستہ کئے جائیں - اور اس کا صرف ایک ہی جواب ہو سکتا ہے یعنی یہ کہ دنیا سے استعمار و سرمایہ داری کو معدوم کر دیا جائے اور یہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک مذہبیت یا قومیت پر نوع انسانی کی تفریق یا اس کا افتخار قایم ہے

پھر اگر واقعی بغیر کسی مذہب کے انسان ترقی نہیں کر سکتا اور دنیا امن و سکون سے آشنا نہیں ہو سکتی، تو اس مذہب کا نام صرف "لامذہبیت" ہونا چاہئے "لاقومیت" ہونا چاہئے اور وطنیت سے مراد صرف یہ ہونا چاہئے کہ ہم سب ایک ہی کرہ کے رہنے والے ہیں، ایک ہی ستارہ میں پیدا ہوئے ہیں اور مادرِ گیتی کے فرزند ہونے کے لحاظ سے ہم سب ایک دوسرے کے بھائی ہیں

غالب کی شوخیاں اور شوخ نگاریاں

دنیا میں مشہور ہے - لیکن اگر کوئی آپ سے کہے کہ اس کے حالات زندگی، اس کے کلام نظم و نثر، اس کی تصانیف اردو و فارسی سے یکجا کر کے سب کی سب کتابی صورت میں پیش کیجئے - تو آپ کے لئے اس کا صرف ایک جواب ہوگا اور وہ یہ کہ

رسالۂ نگار بابت ماہ جنوری ۳۲ء

اٹھا کر دیکھئے جس کے ۱۶۰ صفحات اسی موضوع کے لئے وقف ہیں - اور پورا استقصار کر کے ان کو یکجا کر دیا گیا ہے پھر اگر یہ رسالہ آپ کے پاس نہیں ہے یا گم ہو گیا ہے، یا آپکے کسی اور دوست کو ضرورت ہے یا اس کے بعد سے آپ نگار کے خریدار ہوئے ہیں - تو ۱۲ر کے ٹکٹ بھیجکر طلب کر لیجئے - صرف چند کاپیاں رہ گئی ہیں - غالب کی عالم شباب کی سہ رنگی تصویر بھی اس میں شامل ہے

منیجر نگار لکھنؤ

مکتوبات نیاز

نوشہ میاں ،

حیران ہوں کہ تمھیں شادی کی مبارکباد دوں بھی تو وہ الفاظ کہاں سے لاؤں ، جو تم سننا چاہتے ہو ، کیونکہ اس حادثہ کی خبر اس قدر اچانک ، اور غیر متوقع طور پر معلوم ہوئی کہ اگر تم مجھ سے ملامت کا تقاضہ کرتے تو اس کے لئے بھی کوئی مناسب لفظ مجھے نہ ملتا

جس وقت سوچتا ہوں کہ تمھارا نازک دل شادی کے ردّ عمل کو کیونکر برداشت کر سکے گا تمھاری " میرزا منشی " ناز برداریوں کی تاب کیونکر لا سکے گی اور تمھاری آزادہ روی کب تک ان سنہری بیڑیوں سے لطف اندوز ہوتی رہے گی ، تو دل کانپ اٹھتا ہے ، تمھارے انجام کے خیال سے نہیں ، بلکہ اس غریب کے انجام سے جو اپنے ہزاروں ارمان تمھاری آغوش میں سونپنے آئی ہے ،

بہرحال اگر اس نوعمری میں تم نے یہ ذمہ داری اپنے سر لی ہے تو اسے نباہنے کی کوشش کرو اور تم کہ اس وقت تک تم نے اتنی عمر دوسروں ہی سے ایثار چاہا ہے ، اب خود بھی ایثار کرنا سیکھو —— جوانی میں بوڑھا ہو جانا اتنا مشکل نہیں جتنا بڑھاپے میں جوان بننا - پہلے آسان کام اختیار کرو تاکہ بعد کو مشکل کام بھی آسان ہو جائے - جواب کی ضرورت نہیں میں خود آؤں گا اور بغیر تمھارے کہے معلوم کر لوں گا کہ تم نے کس حد تک میرے کہنے پر عمل کیا

نیاز

محترم ،

دیوان کی رسید تو میں پہلے ہی روانہ کر چکا ہوں —— پھر یہ تقاضہ کیسا ؟ مدعا غالباً یہ ہوگا کہ میں نے اپنی رائے کیوں پیش نہیں کی - اوّل تو میں کیا اور میری رائے کیا ، دوسرے یہ کہ سورج کو سورج کیا کہوں - میں کیا دنیا معترف ہے آپ کا کمال خود یہ خراج اس سے وصول کر لیتا ہے

زبان آپ کی خانہ زاد ، ذہانت آپ کی کنیز ، پاکیزگی خیال آپ کی ماں جائی ،

رہ گیا عشق سو اس کے لئے آپ کی ہرزہ کار جوانی کافی ضمانت ہے ـــــ شاعری آپ نہ کریں گے تو کیا میں کروں گا جس کو گناہ کرنے کا سلیقہ عطا ہی نہیں کیا گیا ـــــ اگر کبھی یہ نعمت میسر آگئی تو زیادہ دل کھول کر داد دونگا، فی الحال تو اسی نارسائی کو قبول فرمائیے

نیاز

سنئے صاحب ـــــ یہ جھگڑا یوں طے نہ ہوگا ، آپ اپنی خو چھوڑنے سے رہے اور میں اپنی وضع چھوڑنے سے رہا ، یعنی اگر آپ کو یہ ضد ہے کہ غلط کو ہمیشہ صحیح کہے جائیں گے تو میں کیوں آپ کی رعایت سے صحیح کو غلط کہدوں میں پھر کہتا ہوں اور علی رؤس الاشہاد کہتا ہوں ، بہ بانگ دہل کہتا ہوں کہ مجن صاحب نے کبھی بھولے سے بھی آپ کا نام نہیں لیا اور آپ کے مخبر صادق کا یہ اصرار ہے کہ نہیں یہ سارے کانٹے انھیں کے بوئے ہوئے ہیں بہرحال اب اس باب میں مزید مراسلت بیکار ہے ، میں آیندہ جمعہ کو مجن صاحب اور " اُن " کو ساتھ لے کر وہیں آرہا ہوں ، آپ اپنے " روح القدس " کو حاضر رکھئے گا تاکہ بالمشافہ گفتگو ہو کر معاملہ صاف ہو جائے

آپ کے تکدّر سے یوں تو میرا کوئی نقصان ہے نہ مجن صاحب کا لیکن خواہ مخواہ اچھے بھلے تعلقات کو محض وہم وگمان پر خراب کر لینا۔ آپ کے لئے ضرور بُرا ہے ، کیونکہ آج کو اس نے مجن صاحب کی طرف سے بدظن کرادیا ہے ، کل کسی اور دوست سے آپ کو بیگانہ کر دے گا۔ پھر ماناکہ آپ اپنے وقت کے " یوسف " سہی ، لیکن " یوسف بے کارواں " ہو کر جینا بھی کوئی جینا ہے

نیاز

مولانا و مرشدنا ،

کرمت نامہ کا شکریہ۔ یوں تو آپ کی محبّت کا ہمیشہ سے میرے دل پر نہایت گہرا نقش قایم ہے ، لیکن اب آپ کی بزرگانہ نصیحت نے کچھ اور اضافہ اس میں فرما دیا

آپ کا مشورہ بالکل درست ہے کہ یا تو میں محراب و منبر ہی کا بندہ بنا رہوں یا صاف صاف کہدوں کہ مجھے ان سے کوئی واسطہ نہیں۔ لیکن آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ ذوقِ انسانی محدود نہیں ہے۔ ایک مجذوب ہے جو بالکل ننگا پھرنا پسند کرتا ہے ، دوسرا سالک ہے جو ہر وقت عباو قبا میں ملفوف رہتا ہے ، لیکن میسرا ایک اور شخص ہے جو مشربِ عشق کا اعلان اس طرح کرتا ہے

عریاں تنی خوش ست و لے زیب دیگر ست دامانِ چاک چاک و گریبان دریدہ را

یہ تو خیر صرف شاعرانہ جواب ہوا اور ممکن ہے جناب کو پسند نہ آئے ، اس لئے ساتھ ہی ساتھ مجھے "منصور" کی زبان میں بھی صاف صاف کہہ دینا چاہیئے کہ واقعی میں محراب و منبر کا پرستار نہیں اور اس کا اعلان ایک بار نہیں ہزار بار کر چکا ہوں ، لیکن اگر لوگوں کو اب بھی میرے مسلمان رہنے کا یقین ہے تو

زہے نصیب دلِ کفر آشنائے نیاز

قبلۂ عالم ، آپ لاکھ سمجھائے ، یہ بات کیسی میری سمجھ میں نہ آئے گی کہ خدا صرف مسلمانوں کا ہے اور سوائے ان کے وہ سب کو جہنم میں پھینک دے گا۔ ظہورِ اسلام سے لے کر اس وقت تک زیادہ سے زیادہ دو چار ارب مسلمان پیدا ہوئے ہوں گے ، اور ان کے مقابلہ میں ہزار گنا زیادہ اور مذاہب کے لوگ ، پھر کیا کوئی ذی عقل اسے باور کر سکتا ہے کہ خدا ایک کو تو جنت دے اور ہزار کو دوزخ میں جلائے ——— اُن کو اتنے جہنمی پیدا کرنے کی آخر ضرورت ہی کیا تھی ، اور اتنی مخلوق کو جن میں خدا جانے کتنی حسین عورتیں ہوں گی۔ آگ میں ڈال کر تڑپانے سے خدا کی کون سی مسرت وابستہ ہے

آپ کے پاس اس کا ایک ہی جواب ہے کہ اُس کی مرضی ، اور میرے پاس بھی اس کے خلاف ایک ہی احتجاج ہے کہ

یارب زسیل حادثۂ طوفاں رسیدہ باد
بتخانۂ کہ خالقتش نام کردہ اند

نیاز

مکرمی ،

بر سبیل شکایت نہیں بلکہ بہ طریق حکایت کہتا ہوں کہ ایک زمانہ وہ تھا جب میرے ایک ایک عریضہ کا جواب دینے کی کوشش آپ سو سو طرح کرتے تھے ، یا ایک یہ زمانہ ہے کہ

یاں لب پہ لاکھ لاکھ سخن اضطراب میں
واں ایک خامشی تری سب کے جواب میں

سوچتا ہوں کہ اس انقلاب کا سبب کیا ہو سکتا ہے تو حیران رہ جاتا ہوں کیونکہ اس سے قبل بھی یہاں

یہی چشم خونفشاں تھی ، یہی دل یہی جگر تھا

آپ سے پوچھتے ڈر معلوم ہوتا ہے کہ کہیں "موسیٰ و طور" کا قصہ لے کر نہ بیٹھ جائیں اور پھر اُلٹا مجھی کو اپنی نارسائی کا اعتراف کرنا پڑے۔ بہرحال اگر اس باب میں قابل الزام مجھی کو ٹھیرایا جائے تو بھی مجھے "روئے محمود خاک پائے ایاز" والے خدا سے بہت کچھ امیدیں وابستہ ہو سکتی ہیں ، لیکن قہر تو یہی ہے کہ آپ اس کا بھی اعلان نہیں کرتے ——

کاش آپ بیمار ہوتے کہ میں خود آپ کی طرف سے " عذرِ سکوت " ڈھونڈھ لیتا ، عدیم الفرصت ہونے کہ اس " رسمی بہانہ " سے اپنے آپ کو دھوکا دے دیا کرتا ، یہ نہ تھا تو کسی جگہ مبتلائے عشق ہو جاتے کہ " خرابی دماغ کا یقین کر کے صبر کر لیتا ، لیکن جب یہ کچھ نہیں تو پھر سوائے اپنی " شومی قسمت " کے اور کیا کہہ سکتا ہوں

یاد کیجئے کہ آپ کی محبت و دوستی کا خیال میرے لئے اس قدر باعث فخر و مسرت نہیں ، جتنا آپ کی بے رخی کا خیال سوہانِ روح ہے ، اس لئے اگر کسی کو تکلیف میں مبتلا رکھنا آپ کے مذہب میں ثواب نہیں تو خدا کے لئے اس عذاب سے مجھے نجات دلائیے اور زیادہ نہیں صرف اتنا ہی لکھ دیجئے کہ میرا کوئی خط آپ کو نہیں ملا ۔ مجھے یقین نہ آئے نہ آئے ، لیکن اوروں سے تو کہہ سکوں گا ، اُن کی نگاہ میں تو میں ذلیل نہ ہوں گا

نیاز

قبلۂ روحانیاں

آپ مجھ سے عمر میں چھوٹے ، تجربہ میں کم ، صحت و توانائی میں ضعیف ، لیکن پھر بھی آپ کو " قبلۂ روحانیاں " لکھتا ہوں ، آپ کا علم و فضل دیکھ کر ، آپ کی فراست و دانائی کا خیال کر کے اور سب سے زیادہ اس کشش سے مجبور ہو کر جو قدرت نے آپ کی صورت ، آپ کے اخلاق اور آپ کی آواز میں ودیعت کر دی ہے ۔ لیکن کیا دنیا کا یہ حیرتناک واقعہ نہیں کہ باوجود اس شدید ارادتمندی کے محرومِ کرم اور باایں ہمہ نیاز و فتادگی ناآشنائے التفات ہوں ۔

خضر نے سکندر کے ساتھ کیا کیا ، اس کا صحیح حال کسے معلوم ، لیکن آپ کی بے اعتنائیاں تو میرے باب میں ایسی روشن حقیقت ہے کہ " کروبیانِ ملاءِ اعلیٰ " بھی اس سے انکار نہیں کر سکتے ، پھر میں آپ سے نہ دولتِ دنیا چاہتا ہوں کہ آپ کو اپنی تہیدستی کا عذر پیش کرنا پڑے ، نہ سعادتِ اخروی کا طلبگار ہوں کہ آپ میری نااہلی سے مجبور ہو کر انکار کر دیں ، بلکہ میں تو صرف یہ چاہتا ہوں کہ اگر آپ کے لئے سفر کرنا متعذر ہے تو مجھی کو اجازت دیں کہ چند دن آستانۂ گرامی پر حاضر رہ کر لطفِ جبیں سائی حاصل کر لوں ۔ آپ کی بہار آفرینیاں تو خیر ہمیشہ ایسی ہی رہیں گی ، لیکن مجھے تو اپنی جنوں سامانیوں پر زیادہ اعتماد نہیں

التفات جوشِ وحشت پھر کہاں
ہو سکے جب تک بیاباں دیکھ لیں

کل سعید احمد صاحب نے آپ کا ذکر کر کے اس آگ کو اور بھڑکا دیا ، ورنہ میں تو گھٹ گھٹ کر مر جانے کا فیصلہ کر ہی چکا تھا

مہجور ۔ نیاز

ادھر آؤ، لیلوں بلائیں تمھاری

خدا کی قسم کیا کام کیا ہے۔ رستم و اسفندیار کی روحیں کانپ اٹھی ہوں گی، سکندر و نپولین کی قبروں پر لرزہ طاری ہوگیا ہوگا۔ آج کل کے سینڈو اور گاما کا کیا ذکر ہے

وہ لوگ بزدل ہیں جو اپنے سے قوی کو ٹوکتے ہیں، نامرد ہیں جو زبردست دشمن کے ساتھ معرکہ آرا ہوتے ہیں، بہادری نام ہے صرف کمزور کو ستانے کا، ضعیف کو پامال کر دینے کا، پھر ظاہر ہے کہ بیوی سے زیادہ کمزور ہستی تمھیں اپنی شجاعت دکھانے کے لئے کہاں مل سکتی تھی،

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

مجھے تو اپنی صورت اب تم دکھانا نہیں، کیونکہ مجھے تم سے نفرت نہیں بلکہ عداوت پیدا ہوگئی ہے اور میں نے عہد کرلیا ہے کہ جس طرح ممکن ہوگا تم سے اس غریب آزاری کا انتقام لئے بغیر نہیں رہوں گا ـــــ تبت یدا ابی لہب

نیاز

نگار کے گزشتہ سالوں کے پرچے

حسب ذیل قیمت بر معہ محصول مل سکتے ہیں

ستمبر ۲۲ء	۴ر جنوری ۲۶ء	۴ر مارچ ۲۹ء	۸ر دسمبر ۳۱ء ۳ر
اکتوبر	۴ر اپریل 〃	۸ر مئی ۳۰ء	۴ر جنوری ۳۲ء ۱۲ر
مئی ۲۳ء	۶ر مئی 〃	۴ر اگست 〃	۸ر فروری 〃 ۴ر
جنوری ۲۵ء	۴ر جون 〃	۴ر ستمبر 〃	۴ر مارچ 〃 ۴ر
فروری 〃		۴ر اکتوبر 〃	۴ر اپریل 〃 ۸ر
مارچ	۴ر نومبر 〃	۴ر نومبر 〃	۴ر مئی 〃 ۴ر
اپریل	۴ر دسمبر	عر دسمبر 〃	۶ر جون 〃 ۴ر
مئی	۴ر مارچ ۲۷ء	۴ر جولائی ۳۱ء	۴ر جولائی 〃 ۴ر
جون	۴ر اپریل 〃	۴ر اگست 〃	۳ر اگست 〃 ۴ر
جولائی	۶ر مئی 〃	۴ر ستمبر 〃	۴ر ستمبر 〃 ۴ر
اگست	۴ر جون 〃	۴ر اکتوبر 〃	۳ر اکتوبر 〃 ۴ر نومبر 〃 ۴ر
ستمبر	۴ر دسمبر ۲۸ء	۸ر نومبر 〃	۳ر دسمبر 〃 ۴ر

باب الاستفسار

ابر و برق

(جناب سیّد فضل حسین صاحب - بلاری)

براہِ کرم مختصراً ابر و برق کی حقیقت سے آگاہ فرمائیے، لیکن ایسے الفاظ میں جس کو عوام بھی سمجھ سکیں

(نگار) ابر نام ہے اُس بُخار یا دھوئیں کے دَل کا جو فضا میں تیرتا ہوا معلوم ہوتا ہے اور جو پانی کے قطرات لئے ہوئے اکثر منجمد حالت میں پایا جاتا ہے

جب ہَوا کا درجۂ حرارت اتنا گر جاتا ہے کہ اس میں جذب کی صلاحیت باقی نہیں رہتی (خواہ یہ ہوا کے زیادہ لطیف ہوجانے سے ہو یا کسی سَرد کے ساتھ مل جانے سے) تو بُخار کا ایک حصّہ اپنی گیسی حالت چھوڑ کر نہایت چھوٹے چھوٹے قطراتِ آب میں تبدیل ہوجاتا ہے، ڈاکٹر اٹیکن (Aitken) کا خیال ہے کہ بخار میں اس نوع کا تکاثف ہمیشہ خاک کے ذرّات کے چاروں طرف ہوا کرتا ہے، یعنی بادل کا ہر قطرۂ آب ذرۂ خاک کے اِرد گِرد تکاثفِ بخار کا دوسرا نام ہے —— اس لئے بادلوں کے متعلق یہ کہنا کہ وہ بُخار ہی بخار ہے درست نہیں، بلکہ وہ مجموعہ ہے پانی کے نہایت چھوٹے چھوٹے قطروں کا - رہا یہ سوال کہ یہ قطراتِ آب کیوں دفعۃً زمین پر آکر نہیں گر جاتے اس کے متعلق پروفیسر اسٹوکس کا بیان یہ ہے کہ ذرّاتِ ہَوا کے تصادُم کی وجہ سے قطراتِ آب کی رفتار بہت سُست یا بالکل معدوم ہوجاتی ہے - اور ہرشل کا کہنا یہ ہے کہ ہَوا کی موجیں جو نیچے سے اوپر جاتی ہیں ان کی رفتار، قطراتِ آب کی رفتار سے زیادہ ہوتی ہے - اور اسی لئے وہ زمین پر گرنے نہیں پاتے - البتہ جب ہَوا کی موجوں کی رفتار کم ہوجاتی ہے (اور یہ اکثر رات کو ہوتا ہے) تو قطراتِ آب زمین پر گر جاتے ہیں -

آپ کا استفسار چونکہ مینہ یا باراں کے متعلق نہیں ہے اس لئے اس کی مزید تفصیل چھوڑ کر صرف ابر کے متعلق عرض کرتا ہوں

بادل اور کہر دونوں ایک ہی قسم کی چیزیں ہیں۔ اور ان میں صرف یہ فرق ہے کہ کہر زمین پر چھاتا ہے اور بادل فضا میں۔ یہ زیادہ تر زمین سے ایک میل کے فاصلہ کے اندر پائے جاتے ہیں لیکن کبھی کبھی ۶ میل کی بلندی پر پہونچ جاتے ہیں

بادل کی عموماً تین قسمیں ہوتی ہیں۔ سب سے نیچی تہ ۲ ہزار سے ۶ ہزار فیٹ تک کی بلندی پر پائی جاتی ہے، دوسری ۱۲ ہزار سے ۱۵ ہزار فٹ تک اور تیسری ۲۰ ہزار سے ۲۷ ہزار فٹ تک بادل اکثر و بیشتر سطح زمین کے متوازی چلتے ہیں اور شاذ و نادر کبھی عمودی شکل اختیار کرتے ہیں

ماہرین فن نے بادلوں کی کئی قسمیں قرار دی ہیں —— ایک قسم تو اُن ہلکے اور بہت بلند بادلوں کی ہے جو اکثر غروب آفتاب کے بعد اور طلوع سے قبل آسمان میں نظر آتے ہیں، ان کی شکل بالکل ایسی ہوتی ہے جیسے گھوڑے یا بلی کی دُم جن میں سفید خطوط پھیلے ہوئے نظر آتے ہیں اور کبھی کبھی ان میں حلقے بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور کبھی یہ بالکل ایسے نظر آتے ہیں جیسے کسی دریا کے ساحل پر ریگ کی موجیں۔ ان میں برف کے نہایت چھوٹے چھوٹے بلورات پائے جاتے ہیں اور ہالہ وغیرہ پیدا کرنے میں معاون ہوتے ہیں

دوسری قسم اُن گہرے بادلوں کی ہے جو سیاہ یا سُرمئی روئی کے گالوں کی طرح نمودار ہو کر مخروطی شکل میں پہاڑوں کا سا منظر پیش کرتے ہیں۔ یہ چار ہزار سے ۶ ہزار فٹ کی بلندی تک پائے جاتے ہیں۔ یہ اکثر طلوع آفتاب کے بعد منتشر روئی کے گالوں کی طرح پیدا ہوتے ہیں اور رفتہ رفتہ وسیع ہو کر سہ پہر تک تمام فضا میں چھا جاتے ہیں، ایسے بادل شام کے وقت زیادہ برستے ہیں

تیسری قسم کے بادل وہ ہیں جو لانبی لانبی چادروں کی شکل میں پھیلے رہتے ہیں ان کی دبازت مختلف ہوتی ہے اور ۴۰۰۰ فٹ سے زیادہ بلند نہیں ہوتے۔ خزاں اور گرما میں اکثر نظر آتے ہیں۔ کبھی کبھی یہ پھیل کر سمندر کی طرح دکھائی دیتے ہیں۔ چوتھی قسم ان چھوٹے چھوٹے سفید ٹکڑوں کی ہے جنھیں ہوا اُڑائے لئے پھرتی ہے۔ بادلوں کی ساخت اور ان کی بلندی منحصر ہے بخار کی مقدار پر، تموجات ہوا کی بلندی پر، موسم پر، درجۂ حرارت پر اور سمندر کی حالت پر۔

بلند سے بلند بادل قسم اوّل کا ہے جو ۴۳۸۰۰ فٹ تک اونچا ہو جاتا ہے —— بادلوں کے حلقے زیادہ تر خطِ استوا اور خطِ سرطان وجدی پر پائے جاتے ہیں —— بادلوں میں مثبت و منفی برقی رَو ہمیشہ پائی جاتی ہے

بجلی اس برقی رَو کا نام ہے جو بادلوں کے درمیان یا بادل اور زمین کے مابین پیدا ہوتی ہے۔ کڑک اور بجلی کا

محل زیادہ تر قسم دوم کے سیاہ بادل ہوا کرتے ہیں۔ بجلی کی تین صورتیں ہیں۔ ایک تو وہ پیکانی بجلی ہے جو پتلی شاخ کی طرح بادلوں کے درمیان یا زمین و ابر کے درمیان تلملاتی ہوئی نظر آتی ہے، اور اس سے متعدد چھوٹی چھوٹی شاخیں پھوٹتی معلوم ہوتی ہیں، یہ میلوں کے فاصلہ پر واقع ہونے والے بادلوں میں پیدا ہوتی ہے یہاں تک کہ دس دس میل کی دوری پر اس کا پیدا ہونا ثابت ہوا ہے۔ کڑک کا سبب یہ ہے کہ بجلی کی رو ہوا کے اندر غیر معمولی گرمی پیدا کر دیتی ہے اور جب وہ ادھر سے گزرتی ہے تو اس میں سے تڑاقے کی آواز پیدا ہوتی ہے۔ چونکہ آواز بمقابلہ بجلی اور روشنی کے سست رفتار ہے اس لئے مختلف مقامات کی بجلی سے جو آوازیں پیدا ہوتی ہیں وہ یکے بعد دیگرے کانوں تک پہونچتی ہیں اور بادلوں سے جو آواز بازگشت پیدا ہوتی ہے۔ وہ دیر تک گونج قائم رکھتی ہے

بجلی کا فاصلہ کڑک سے پوری طرح معلوم ہو سکتا ہے۔ اگر بجلی چمکنے کے ۵ سکنڈ گزرنے کے بعد گرج سنائی دی تو سمجھنا چاہیے کہ بجلی ایک میل کے فاصلہ پر پیدا ہوئی، اگر ۱۰ سکنڈ گزر جائیں تو دو میل، یہاں تک کہ بعض دفعہ ۵۰ سکنڈ کے بعد آواز آتی ہے اور اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ بجلی دس میل کے فاصلہ پر پیدا ہوئی تھی

دوسری قسم بجلی کی وہ ہے جو گرمیوں میں پیدا ہوتی ہے۔ یہ صرف چمک سی ہوتی ہے جو بادل پر چھائی ہوئی معلوم ہوتی ہے اس کا رنگ سرخی مائل ہوتا ہے اور اس کی قوت پیکانی بجلی سے کم ہوتی ہے۔ تیسری قسم بجلی کی وہ ہے جو گولی کی طرح رم کرتی ہے۔ اس کا قطر چند انچ سے ایک گز تک ہوتا ہے، یہ دیواروں کو شق کر دیتی ہے، زمین میں سوراخ کرتی ہوئی گزر جاتی ہے

بجلی سے جو موت وقوع میں آتی ہے اس کا سبب دماغ اور اعصاب کا تاثر ہے، کبھی کبھی یہ بالوں کو جھلسا دیتی ہے، ہڈی توڑ ڈالتی ہے، جسم میں خراش پیدا کر دیتی ہے، کان کے سوراخ کے اندر سنگین کی طرح تیر جاتی ہے، کپڑے جلا دیتی ہے، زخم ڈال دیتی ہے اور فالج وغیرہ کے امراض میں مبتلا کر دیتی ہے۔

بعض مرتبہ یہ بھی دیکھنے میں آیا کہ وہ بعض نقوش کپڑے یا جلد پر چھوڑ جاتی ہے۔ ایک بار ۱۸۳۰ء میں بجلی ایک مکان پر گری، اس وقت گھر کی مالکہ کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی۔ بعد کو دیکھا گیا کہ اس کے کپڑے پر تمام وہ نقوش موجود تھے جو کرسی کی پشت میں پائے جاتے تھے۔ اسی طرح ۱۸۵۰ء میں ایک کسان کی لڑکی درخت کے نیچے گائے چرا رہی تھی کہ بجلی گری۔ گائے تو مر گئی اور وہ بچ گئی لیکن اس کے سینہ پر گائے کی تصویر موجود تھی

اس تیسری قسم کی بجلی کی نوعیت ہنوز پوری طرح دریافت نہیں ہوئی اور نہ یہ بات سمجھ میں آئی ہے کہ نقوش پیدا ہونے کے کیا اسباب ہوتے ہیں

خطابیہ

(جناب سید مجتبیٰ حسن صاحب۔ علی پور)

کیا آپ مطلع فرما سکتے ہیں کہ مسلمانوں میں فرقہ خطابیہ کونسا ہوا ہے،
کیا اس کا تعلق جناب عمر خلیفہ ثانی سے ہے

(نگار) یہ ایک طبقہ ہے غالی شیعوں کا جو ابوالخطاب محمد بن ابی زینب الاسدی سے منسوب ہے۔ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ خدا نے پہلے امام جعفر صادق میں حلول کیا تھا اور پھر ابوالخطاب میں۔ ابوالخطاب نے کوفہ میں اپنے چند متبعین پیدا کر کے عیسیٰ بن موسیٰ پر (جو ۱۴۷ھ تک وہاں کا گورنر رہا تھا) حملہ کیا۔ لیکن یہ گرفتار ہو گیا اور قتل کر دیا گیا اس کے بعد اس جماعت کے بعض لوگوں نے یہ مشہور کیا کہ نہ ابوالخطاب قتل ہوا ہے اور نہ اس کے ساتھی مارے گئے ہیں، بظاہر ایسا دکھایا گیا درانحالیکہ وہ زندہ ہیں ——— ۳۰۰ھ میں اس جماعت کی تعداد نواح کوفہ و یمن میں ایک لاکھ تک پہونچ گئی تھی۔ ابوالخطاب کے بعد انھوں نے محمد بن اسماعیل بن جعفر الصادق کو اپنا امام بنایا اور اسی لیے ان کو اسماعیلیہ جماعت میں بھی شامل کیا جاتا ہے

ان کا عقیدہ تھا رسول اللہ نے اپنے بعد حضرت علی کو منصب رسالت منتقل کیا تھا۔ اور امام جعفر صادق نے اپنے بعد ابوالخطاب کو

یہ لوگ جنگ کے باب میں سخت بیرحم تھے اور دشمنوں کے بچوں اور عورتوں سب کو ذبح کر ڈالتے تھے۔ تناسخ کا عقیدہ بھی ان میں پایا جاتا تھا

دو ادبی شاہکار

شوپنہار۔ فلسفۂ شوپنہار پر ایک بے مثل تبصرہ عبر (علاوہ محصول)

مثنوی زہر عشق۔ مجلد معہ رنگین تصاویر و تین مقدمات قیمت عبر "

مینجر نگار لکھنؤ

بابُ الانتقاد

کارواں لاہور ——

یونتو لاہور میں متعدد رسایل ایسے ہیں جو سالنامے شایع کرتے رہتے ہیں۔ لیکن سال میں صرف ایک بار شایع ہونے والا رسالہ کارواں ہی ہے،

جس کی پہلی اشاعت ۱۹۳۳ء میں ہوئی تھی اور دوسری ۱۹۳۴ء میں۔ پہلا رسالہ ۳۱۴ صفحات پر شایع ہوا تھا اور دوسرا ۳۵۲ صفحات کو محیط ہے۔ اُس میں ۲۳ تصاویر تھیں اور اس میں ۳۶ نقوش ہیں، وہ پروفیسر تاثیر ام۔اے کی ترتیب سے شایع ہوا تھا اور یہ جناب مجید ملک صاحب کا مرتب کیا ہوا ہے۔ رہ گئے مضامین سو ان کے لحاظ سے ایک کو دوسرے پر ترجیح دینا دشوار ہے، کیونکہ اس میں بھی اچھے اچھے مضامین پائے جاتے تھے اور اس میں بھی متعدد پاکیزہ مقالات نظر آتے ہیں ——یہی حال طباعت وکتابت کی خوبی کا ہے

اہل پنجاب اُردو زبان کی جو خدمت انجام دے رہے ہیں اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا اور "کم وکیف" دونوں حیثیت سے ان کی اس خدمت کا اعتراف ناگزیر ہے۔ ممکن ہے یو۔پی اور خصوصیت کے ساتھ لکھنؤ کے اہل قلم اس سے اختلاف کریں اور اہل پنجاب کی اُردو میں زبان و محاورہ کی غلطیاں نکال کر اپنے تفوق کو ثابت کرنا چاہیں لیکن مین اس کو صرف "حرکت مذبوحی" سے تعبیر کروں گا

اس میں کلام نہیں کہ پنجاب کی صحافت میں ہنوز بہت کچھ اصلاح و ترقی کی گنجایش ہے، لیکن فی الحال جو خدمت وہاں کے اہل قلم انجام دے رہے ہیں۔ وہ نہ صرف یہ کہ نظر انداز کرنے کے قابل نہیں بلکہ ایک ایسے درخشاں مستقبل کا پتہ دے رہی ہے، جو کسی نہ کسی دن تمام مُلک کے لئے مشعلِ ہدایت کا کام دے گی۔ اور بالکل ممکن ہے کہ اس تکمیل کا سہرا "کارواں" ہی کے سر رہے

ہم کارکنان "کارواں" کی اس ادبی و علمی کاوش کو حد درجہ نگاہِ تحسین سے دیکھتے ہیں اور توقع رکھتے ہیں کہ آیندہ اشاعتیں اس سے زیادہ بہتر و بلند ہوں گی

تصاویر و نقوش کے باب میں زیادہ توجہ کی ضرورت معلوم ہوتی ہے اور اسی طرح منظومات و غزلیات کے

انتخاب میں بلند تر معیار قائم کرنے کی ——— باب الانتقاد بہت تشنہ و ناکام ہے، ضرورت ہے کہ کم از کم دو تین جزو اس کے لئے وقف کئے جائیں اور سال بھر کی تمام اہم تصانیف پر (خواہ وہ نظم ہوں یا نثر) فاضلانہ تبصرہ کیا جائے۔ کارواں کی قیمت عیاں اس کی خوبیوں کو دیکھتے ہوئے کچھ نہیں ہے

مختصر تاریخ عالم جناب سید حکیم احمد صاحب نقوی بی۔اے۔ سنیر ممبر کورٹ آف وارڈس گوالیار کی تالیف ہے اور اس میں شک نہیں کہ نہایت برمحل تالیف ہے۔ اس پہلی جلد میں صرف عہد قبل تاریخ کو لے کر فلکیاتی نظریئے اور طبقات الارض کے تحقیقات وغیرہ پر گفتگو کر کے نوع انسانی کے ظہور سے بحث کرتے ہوئے عہد تاریخ کے آغاز تک پہونچے ہیں۔ اور اس میں شک نہیں کہ اس ۱۶۰ صفحات کی مختصر سی کتاب میں حد درجہ ایجاز سے کام لے کر نہایت مفید معلومات فراہم کی گئی ہیں

اردو میں اس وقت تک کوئی کتاب اس مقصد کو سامنے رکھ کر اس خوبی سے مرتب نہیں کی گئی اور اس سلسلہ کا مکمل ہو جانا ضروری ہے

فاضل مؤلف نے جابجا آیات قرآنی درج کر کے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ قرآن بھی وہی کہتا ہے جو جدید تحقیقات کا دعویٰ ہے۔ میرے نزدیک مؤلف کو اس سے احتراز کرنا چاہیئے تھا۔ کیونکہ اوّل تو قرآن علوم و فنون کی کتاب نہیں کہ اس میں ان مسائل کی جستجو کی جائے۔ اور اگر بربنائے فرطِ ارادت و عقیدت کوئی مسلمان اس کا دعوےٰ کرے بھی تو وہ کسی طرح اس کو ثابت نہیں کر سکتا، کیونکہ اس کوشش میں وہ خواہ مخواہ آیات کی کھینچ تان کرتا و یل کرے گا اور جب عقلی تاویل کو اس طرح جائز قرار دیا جائے گا تو کوئی وجہ نہیں کہ بعض آیات کی تو تاویل کی جائے اور بعض کو علیٰ حالہا چھوڑ دیا جائے اور اس طرح سخت دشواریوں کا سامنا پڑ جائے گا، کیونکہ قرآن کا اکثر حصہ ایسا ہے جو انتہائی کوشش کے بعد بھی کسی تاویل کو قبول نہیں کر سکتا اور اس کا نتیجہ لامحالہ یہ ہوگا کہ جو تاویلیں کی گئی ہیں وہ بھی ساقط الاعتبار ہو جائیں گی ——— دوسری خرابی یہ پیدا ہو گی کہ غیر مسلم جماعت اس کتاب کو مذہبی پروپاگنڈا سمجھ کر کوئی اعتنا نہ کرے گی

ایک مؤرخ، مؤرخ ہونے کی حیثیت سے کوئی مذہب نہیں رکھتا، اس لئے اس کی تالیف کو ہمیشہ اس قسم کی تاویلوں سے پاک ہونا چاہیئے جو مذہبی تبلیغ کا ادنےٰ سا شائبہ بھی رکھتی ہوں۔ نقشے و تصاویر بھی ناقص ہیں، لیتھو گرافی اس باب میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی۔ اس لئے اگر کتاب ٹائپ میں شایع کی جاتی تو زیادہ مناسب تھا اس کی قیمت ایک روپیہ ہے اور مؤلف سے لشکر کے پتہ پر مل سکتی ہے

شیطان کی توبہ حاجی نبی احمد صاحب بریلوی کا افسانہ ہے جس میں نیکی و بدی کی کشمکش دکھا کر نیکی کی کامیابی کو دکھایا گیا ہے۔ عام عشقیہ فسانہ نگاری سے ہٹ کر اس نوع کے افسانے

لکھنا یقیناً مفید ہے۔ زبان صاف و شگفتہ ہے اور انشا کی خوبیاں بھی اس میں کافی پائی جاتی ہیں، گو فن کے لحاظ سے کہیں کہیں خامیاں بھی ہیں۔ قیمت ۶ر اور ملنے کا پتہ دفتر نیرنگ دہلی ہے

دل کی رانی سید فرید جعفری مچھلی شہری کا فسانہ ہے۔ فرید صاحب مُلک کے ذہین نوجوانوں میں سے ہیں اور صحافت کا فطری ذوق رکھتے ہیں۔ سیاسی عقاید کے لحاظ سے چونکہ وہ بڑی حد تک اشتراکیت پسند واقع ہوئے ہیں اس لئے اس فسانہ میں مسئلہ ازدواج کے متعلق بڑی حد تک اسی مقصد کی تبلیغ کی گئی ہے ——— فسانہ کی زبان پاکیزہ اور جذبات عاشقانہ ہیں۔ قیمت ۴ر

ملنے کا پتہ ملت بُک ڈپو بلیماراں دہلی ہے

کافر اور کافرگر خان بہادر شیخ عبداللہ صاحب ایڈوکیٹ علی گڈھ کا رسالہ ہے، جس میں مولویوں کی کافرگری پر نہایت دلچسپ بحث کر کے مولویانہ ذہنیت کو بے نقاب کیا گیا ہے۔ رسالہ بہت دلچسپ ہے اور ہر مسلمان کے لایق۔ فاضل مصنف سے غالباً مفت مل سکتا ہے

خیالات مہاتما گاندھی س۔ اف۔ اینڈریوز کی انگریزی کتاب کا ترجمہ ہے اور نہایت صاف و شگفتہ زبان میں۔ اینڈریوز، جو عقیدت قرابت مہاتما گاندھی سے رکھتے ہیں، وہ کسی سے مخفی نہیں۔ اس لئے ظاہر ہے کہ یہ کتاب ہر لحاظ سے مکمل ہوگی۔ پہلی جلد میں مہاتما گاندھی کے مذہبی ماحول سے گفتگو کی گئی ہے اور دوسری جلد میں اُن کی سیاسی زندگی پر بسیط تبصرہ کیا گیا ہے۔ دونوں جلدوں کی قیمت عہ ہے اور رفعت یار خاں صاحب سے حکیم بلڈنگ تیسری منزل مومن پورہ بمبئی کے پتہ پر مل سکتی ہے

مجاہدۂ کربلا امامیہ مشن لکھنؤ کا رسالہ ہے جس میں واقعۂ کربلا پر مؤرخانہ نظر ڈالی گئی ہے۔ یہ مسئلہ کہ جناب حسین نے یزید سے خود جنگ کی یا جنگ پر مجبور کئے گئے، نیز یہ کہ آپ کا خروج سیاسی حیثیت رکھتا تھا یا مذہبی، بہت مختلف فیہ ہے۔ فاضل مؤلف نے اس رسالہ میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ جناب حسین نے ہمیشہ امن و سکون کو پسند کیا اور فتنہ و فساد پھیلانے کو ہمیشہ بُرا سمجھا، اس لئے آپ کا یزید کے مقابلہ میں برسرکار ہونا انتہائی مجبوری کی حالت میں ہوا جس میں آپ کوئی غرض شامل نہ تھی

رسالہ بہت صاف و شگفتہ زبان میں لکھا گیا ہے اور مطالعہ کے قابل ہے۔۔۔۔ قیمت ۲ر ہے اور سکرٹری امامیہ مشن لکھنؤ سے مل سکتا ہے

سخنور ماہوار رسالہ ہے جو جناب آسی کی ادارت میں جنوری سے شایع ہو رہا ہے، رسالہ کا مقصد جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے شعر و سخن کی اصلاح و خدمت ہے، چنانچہ جنوری اور فروری کے رسالے اسی رنگ کے نکلے، لیکن مارچ کا پرچہ اس مقصد سے ہٹا ہوا نظر آتا ہے اور اس میں دوسرے عام رسالوں کی

طرح تاریخ وحکایت تصوف ومذہب بھی کچھ موجود ہے۔ کاش آسی صاحب اس کو صرف اُسی موضوع کے لئے مخصوص رکھتے جو آغاز میں ان کے پیش نظر تھا

شعر وسخن کی خدمت صرف طرحی وغیر طرحی غزلوں کی اشاعت نہیں ہے بلکہ تنقید صحیح کا معیار صحیح پیش کرنا ہے اگر آسی صاحب کے رسالہ میں سوائے تنقید کے اور کچھ نہ ہو تو بھی وہ نہ صرف یہ کہ شاعری کی خدمت کریں گے بلکہ ایک کافی جماعت اس کی قدر کرنے والی پیدا کرسکیں گے

یہ رسالہ اوسط تقطیع کے ۴۰ جزو پر شایع ہوتا ہے اور سالانہ چندہ عہ

حضرت نیاز کے ادبی شاہکاروں کا نیا مجموعہ

جمالستان

(نگارستان کا دوسرا حصہ حجم ۵۸۰ صفحات)

قیمت فی کاپی مجلد للعہ غیر مجلد للعہ علاوہ محصول

خریداران نگار سے ایکروپیہ کی رعایت

فہرست مضامین حسب ذیل ہے:۔

دنیا کا اولین بت ساز
ایک شاعر کی محبت
شہید آزادی
دو خط
سودائے خام
۲۵۷۸ء کا ایک صوفی
زہرہ کا ایک پجاری
مطربۂ فلک

فریب خیال
میر بیدانہ
بعد المشرقین
جانعالم اور ملکہ مہر نگار
درس محبت
ایک شاعر کا انجام
رادھا
جنگاری

صدائے شکست
تاریخ عرب کی ایک روایت جمیل
ولے بخیر گذشت
چند گھنٹے ایک مولوی کیساتھ
ازدواج مکرر
آدم وحوا سے پہلے
سرزمین کن کی ایک لنواز شام
محلہ کی رونق

دو گھنٹے جہنم میں
ایثار
ٹیلی فون نمبر ۶۷
شبستان کا قطرۂ گوہریں
انتظام علی صاحب
شہزادۂ خرم اور ابابیل
نوجوان شہزادہ
داستان حسن وعشق کا ورق خونیں

منیجر نگار لکھنؤ

غالب کا ایک شعر

آئینہ کیوں نہ دوں کہ تماشا کہیں جسے
ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے

خسرو فرماتے ہیں :-

صورتگر زیبائے چیں گو صورت یارم ببیں
یا صورتے برکش چنیں یا ترک کن صورتگری

چینی معشوقوں کی تصویر بنانے والے سے کہو کہ یہاں آئے اور میرے معشوق کی صورت دیکھے اور ایسی ہی صورت بنا سکے تو بنائے ورنہ مصوری چھوڑ دے صورتگری کا نام نہ لے۔ مگر غالب کا نظریہ یہ ہے کہ مصور و نقاش کیا معنی خود آئینہ میں بھی یہ قابلیت نہیں کہ اس حسن بے مثل کا مثل پیدا کر سکے۔ اور وہی رنگ و رعنائی جلوہ نما کر دے جو اس بت طناز کا حصہ ہے۔ آئینہ صرف ایک ایسی تصویر بنا سکتا ہے کہ " تماشا کہیں جسے " تماشا اور محض تماشا۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں

مومن فرماتے ہیں :-

تاب نظارہ نہیں آئینہ کیا دیکھنے دوں
اور بن جائیں گے تصویر جو حیراں ہوں گے

اگر وہ اور تصویر بن جائیں گے تو بنا کریں۔ اس میں حرج ہی کیا ہے ؟ آپ کو تاب نظارہ نہیں آنکھیں بند کر لیں۔ اُسے کیوں اپنی آرایش سے روکتے ہیں ؟ اس کا تصویر بننا تو عین مطلوب ہے۔ جنت نگاہ ہے فردوس نظر ہے۔ بلکہ عشاق تو ڈنکے کی چوٹ کہتے ہیں :-

مشاطہ را بگو کہ بر اسباب حسن یار
چیزے فزوں کند کہ تماشا بما رسد

مشاطہ سے کہو کہ اس کے سامان آرایش میں کچھ نئی چیزوں کا اضافہ کر دے تاکہ ہمیں اور بھی زیادہ لطف

حاصل ہو

اور غالب کہتے ہیں :-

آرایش جمال سے فارغ نہیں ہنوز
پیش نظر ہے آئینہ دائم نقاب میں

مومن کا تصور یہ ہے کہ آئینہ دیکھ کر وہ اور تصویر بن جائیں گے یعنی ان کا حسن دوبالا ہو جائے گا۔ اور غالب کا کہنا یہ ہے کہ

ہوئے اُس مہروش کے جلوۂ تمثال کے آگے
پرافشاں جوہرِ آئینہ مثلِ ذرّہ روزن میں

یعنی اُسے دیکھ کر خود آئینہ کو چار چاند لگ گئے۔ خود آئینہ کا حسن دوبالا ہو گیا۔ اندھیرے کمرہ میں جب روشندان سے سورج کی کرنیں آتی ہیں تو کرنوں میں بے شمار چمکتے ہوئے ذرّے اُڑتے نظر آتے ہیں۔ جب سورج چھپ جاتا ہے تو یہ ذرّے بھی غائب ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح جب وہ "مہروش" آئینہ کے سامنے آتا ہے تو آئینہ چمک جاتا ہے اور اپنے حسن و جمال کے تمام جوہر اس کے رُخ روشن پر نچھاور کر دیتا ہے اور جب وہ خورشید رو آئینہ کے سامنے سے ہٹ جاتا ہے تو معاً آئینہ کے سارے جوہر روپوش ہو جاتے ہیں اور آئینہ کے چہرہ پر تاریکی چھا جاتی ہے۔ یہاں یہ نکتہ بھی ملحوظ رہے کہ اندھیرے میں آئینہ سیاہ پوش ہو جاتا ہے اور عکس پذیر نہیں ہوتا

اگر کوئی مجھ سے پوچھے کہ تمھیں غالب کا کونسا شعر بہت پسند ہے تو میں بے تامل یہ شعر سنا دوں

آئینہ کیوں نہ دوں کہ تماشا کہیں جسے
ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے

اسی مضمون کو دوسری جگہ یوں باندھا ہے :-

آئینہ دیکھ اپنا سا منہ لے کے رہ گئے
صاحب کو دل نہ دینے پہ کتنا غرور تھا

اور یہی غرور دُور کرنے کو میں نے آئینہ پیش کیا تھا۔ دیکھتے ہی سکتہ میں آ گئے۔ مبہوت ہو گئے۔ تصویر بن گئے چکرا گئے اور "اپنا سا منہ لے کے رہ گئے"

گر حق تو یہ ہے کہ اسی مضمون کو یونانی شاعر نے جس رنگ سے باندھا ہے وہ آپ اپنی نظیر ہے، بے مثل و بے بدل ہومر کا معشوق غالب کے معشوق کی طرح جہاندیدہ و پرکار نہیں۔ سیدھا سادھا، اٹھڑ، نادان، فریب خوردہ، ناتجربہ کار، صید حلقۂ دام خیال، سرتاپا عالم جلوہ و رنگ، ناآشنائے رموز کیف و کم، وہ اُس زمانہ کے معشوق کا

حال لکھتا ہے جب آئینہ ابھی ایجاد بھی نہیں ہوا تھا اور دُنیا اپنی آفرینش کے ابتدائی دَور میں تھی

" شہزادہ نرگس بلا کا نوجوان تھا۔ شوخ و شنگ، خوشرو و گلرنگ۔ بڑی بڑی نیلگوں آنکھیں۔ جادوگری کی آسمانی پتلیاں پھول سے رخسار۔ سنہرے بال۔ چھریرا بدن۔ لمبا قد۔ مردانہ بھیس میں جنت کی حور قاف کی پری

" نگاہوں میں چمکتی بجلیاں ہاتھوں میں شمشیریں "

ایک دنیا اس پر ہزار جان سے نثار تھی۔ بابل اور قاف کی پریاں، دینس اور روم کی شہزادیاں اس کے عشق میں دین و دنیا کو خیرباد کہہ چکی تھیں۔ اس کے فراق میں سیماب وار تڑپا کرتی تھیں۔ مگر وہ کسی کو بھی خیال میں نہ لاتا۔ بے دھڑک دلوں پر چھریاں چلاتا اور عشاق کا قتل عام کرتا

نرگس کے غرور کا یہ عالم تھا کہ شہزادیوں کو کھڑے کھڑے اپنی چوکھٹ سے ہٹا دیتا۔ شہزادوں اور سپاہی زادوں کو بے تحاشا ٹھوکریں لگاتا اور دربانوں کا حکم دیتا اور وہ سب یہی کہتے

نہ بود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت
سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

حُسن و شباب کے دیوتا "کیوپڈ" کو نرگس کا یہ غرور نہ بھایا۔ اُس نے تاک کر اپنا سونے کا تیر اُس سینہ پر نشانہ کیا نرگس چاروں شانے چت گرا۔ یعنی عاشق ہوگیا۔ کس پر؟ اپنے آپ پر!

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ایک دن نرگس شکار کھیلتے ہوئے دُور جنگل میں نکل گیا۔ ساتھی بچھڑ کے پیچھے رہ گئے۔ گرمی کے دن تھے۔ بڑی پیاس لگی۔ پانی کی تلاش میں اِدھر اُدھر دوڑ رہا تھا کہ دور پہاڑی کے دامن میں شفاف پانی کا چشمہ دیکھا دوڑتا ہوا وہاں پہونچا۔ پانی پینے کو وہاں جھکا۔ سناٹے میں آگیا۔ چاند سا مکھڑا۔ گورے گورے گال۔ لمبے لمبے بال۔ ریشم کے لچھے۔ بڑی بڑی آنکھیں۔ پتلی سی ناک۔ ہنس کی سی گردن۔ دم بخود ہوگیا۔ " اپنا سا منہ لے کے رہ گیا "

معاً ایک خوشی کی لہر اُس کے دل سے اٹھی اور چہرہ پر دوڑ گئی۔ وہ مسکرانے لگا۔ معشوق بھی مسکرایا۔ وہ ہنسنے لگا۔ معشوق بھی ہنسا۔ وہ سمجھا کہ معاملہ طے ہوگیا۔ آگے بڑھا کہ معشوق کے ہونٹوں کا بوسہ لے لوں۔ جونہی اس کے ہونٹ معشوق کے ہونٹوں سے ملے۔ معشوق غائب ہوگیا۔ اُس کی بے اختیار چیخیں نکل گئیں

" نہ جا۔ نہ جا۔ میرے پیارے نہ جا میری جان۔ تو کہاں چلا گیا؟ "

معشوق پھر لوٹ آیا۔ اُس کی جان میں جان آئی۔ دل کو قرار آیا۔ سمجھ گیا کہ معشوق وہی نازکبدن ہے جس کی شان میں کہا گیا ہے کہ

ہاتھ آئیں تو انھیں ہاتھ لگائے نہ بنے

بیچارہ کا دل اندر ہی اندر چکنا چور ہوگیا۔ آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ موٹے موٹے دو آنسو ٹپ ٹپ معشوق کے رخسار

پر گر پڑے۔ وہ پھر غائب ہوگیا۔ یہ پھر گھبرا گیا کہ اب شاید نہ آئے۔ بلبلانے لگا۔ واویلا کرنے لگا۔ وہ پھر آگیا۔ اس کی جان میں جان آئی۔ دل کو قرار آیا۔ سمجھ گیا کہ معشوق گریہ وزاری کی اجازت نہیں دیتا

گھٹ کے مرجاؤں یہ مرضی مرے صیاد کی ہے

وہ چپ چاپ حسرت و یاس سے معشوق کو تکنے لگا۔ معشوق اُسے دیکھنے لگا۔ دونوں نے ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ پیاری پیاری آنکھیں۔ بڑی بڑی آنکھیں۔ رس بھری آنکھیں

رات ہوگئی۔ معشوق چلا گیا۔ جاکے سو رہا۔ مگر نرگس وہیں آنکھیں کھولے انتظار میں پڑا رہا۔ اُس کی آنکھوں میں نیند کہاں ؟ وہ سونا لیٹنا، کھانا، پینا، اٹھنا، بیٹھنا، سب بھول گیا۔ صبح و شام چشمہ کے کنارے پڑا رہتا، بے یار و مددگار۔ بے بس و ناچار۔ کبھی کبھار رات کو بھی اس کا معشوق چلا آتا۔ مگر صرف چاندنی راتوں میں۔ جب آسمان گرد آلود و غبار سے پاک اور موسم پر کیف ہوتا۔ نرگس کے لئے وہ معراج کی رات ہوتی۔ لیلۃ القدر ہوتی

یونہی ایک مدت گذر گئی۔ نرگس کی آنکھوں کے گرد حلقے پڑ گئے۔ اس کا رنگ اُڑتا چلا گیا۔ وہ بالکل نحیف و زار ہوگیا۔ سوکھ کے کانٹا ہوگیا۔ اور مختصر یہ کہ مرگیا۔ مگر اُس کی آنکھیں کھُلی کی کھُلی رہ گئیں۔ دیکھتا کا دیکھتا رہ گیا

اے دریغا وہ رند شاہد باز

خداوند جوپیٹر کو نرگس کی موت پر بڑا صدمہ ہوا۔ آپ اس کی لاش پر تشریف لائے اور اپنے خاص دست مبارک سے اس کی لاش کو چھوا۔ چھوتے ہی لاش ایک شاداب پودا بن گئی۔ ہرا بھرا سرسبز پودا۔ رنگ رنگ کے پھولوں سے مالا مال جنت کے طلسمی پھولوں کا پودا۔ نرگس کا پودا۔ لیکن نرگس کے پھول ایک ایک کرکے چشمہ کی جانب جھک گئے اور اپنے اپنے عکس کو دیکھ کر جھومنے لگے۔ کھلکھلانے لگے۔ محو تماشا ہوگئے

خداوند نے فرمایا۔ "لاریب۔ عشق کا مرض لاعلاج ہے" اور مسکراتے ہوئے چلے گئے

آج تک نرگس کے پھول اسی طرح پانی کے کنارے اپنے معشوق کی طرف دیکھا کرتے ہیں اور ذرا نہیں تھکتے جب معشوق روپوش ہوجاتا ہے جب بھی ان کی آنکھیں کھلی رہتی ہیں اور شام سے سویرا کردیتی ہیں۔ اور زبان حال سے کہتی ہیں:-

مدت گذر گئی کہ نگاہیں ہیں سوئے در
وعدہ خلاف یار سے کہیو پیام بر
آنکھوں کو روگ دیگئے ہو انتظار کا

یہ یونانی شاعر کا کلام ہے اور یہ یونانی ادیب کی بلاغت

دیکھو اے ساکنانِ خطۂ خاک
اس کو کہتے ہیں "خامہ فرسائی"

مگر ہمارا ادیب کامل و اکمل دو سطروں میں یہ ساری کی ساری داستان لکھ دیتا ہے اور کس ترنم سے کہتا ہے

آئینہ کیوں نہ دوں کہ تماشا کہیں جسے
ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے

اب شارحین کی موشگافیاں ملاحظہ ہوں وہ کہتے ہیں آئینہ سے مراد دل ہے۔ کیونکہ دل ہی وہ آئینہ ہے جس میں سوائے یار کے دوسرے کی تصویر منعکس نہیں ہوتی۔ تو پھر شعر کا مطلب یہ ہوا کہ میں اپنے دل کا ہدیہ کیوں نہ پیش کروں کہ تماشا سمجھ کر اُس سے کھیلا کریں۔ اور جب کھیلتے کھیلتے تھک جائیں تو اٹھا کے پتھر پر دے ماریں اور چور چور کر دیں۔ اسی شکستِ آئینۂ دل کی طرف اشارہ فرماتے ہیں

اب میں ہوں اور ماتمِ یک شہرِ آرزو
توڑا جو تو نے آئینہ تمثال دار تھا

اور دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے

نہ لیوے گر خسِ جوہر طراوت سبزۂ خط سے
لگاوے خانۂ آئینہ میں روئے نگار آتش

یعنی اگر سبزۂ خطِ معشوق اُسے برابر طراوت نہ پہونچایا کرے تو عاشق کے کلیجہ میں آگ لگ جائے

تماشا کر اے محوِ آئینہ داری
تجھے کس تمنا سے ہم دیکھتے ہیں

بعض کہتے ہیں کہ آئینہ کا اشارہ آنکھ کی طرف ہے۔ کیونکہ عاشق کی آنکھ کے آئینہ خانہ میں معشوق جلوہ گر رہتا ہے۔ تو پھر مقصد یہ ہوا کہ وہ میری آنکھوں میں اپنی صورت دیکھا کرے اور میں اپنی آنکھوں سے اس کا درشن کیا کروں۔ یعنی

گردشِ ساغرِ صد جلوۂ رنگیں تجھ سے
آئینہ داریِ یک دیدۂ حیراں مجھ سے

اور اس سے بڑھ کر یہ کہ

سچ کہتے ہو خود بین و خود آرا نہوں نہ کیوں ہوں
بیٹھا ہے بتِ آئینہ سیما مرے آگے

اب تک تو میں اور میری آنکھیں اور میرا دل آئینہ ہو رہا تھا۔ اب وہ خود سرتاپا آئینہ ہو گیا یعنی دوئی کے پردے اٹھ گئے۔ اور ہم دونوں ایک ہو گئے۔ دنیا کے آئینہ خانہ میں ہر طرف اُسی کی تصویر نظر آتی ہے۔ ہر طرف اس کا جلوہ جگمگا رہا ہے۔ عرفاں کا مفہوم یہی ہے کہ امتیازات کا پردہ اٹھ جائے اور سارا عالم ایک نظر آئے ایک ہو جائے

بر روئے شش جہت درِ آئینہ باز ہے
اب امتیاز ناقص و کامل نہیں رہا

مگر حقیقت تو یہ ہے کہ یہ ساری کی ساری فلسفیانہ موشگافیاں بے محل ہیں۔ آئینہ سے مقصود آئینہ ہے اور صرف آئینہ۔ نہ وہ دل ہے نہ آنکھ اور نہ شاہدِ ہستی مطلق کی کمر۔ آئینہ وہی آئینہ ہے جسے چودھویں صدی کا بچہ بچہ جانتا ہے اور جسے صحرائے افریقہ کا وحشی بھی اپنی معشوقہ کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے کہہ سکتا ہے

آئینہ کیوں نہ دوں کہ تماشا کہیں جسے
ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے

محمد اسحاق (امرتسری)

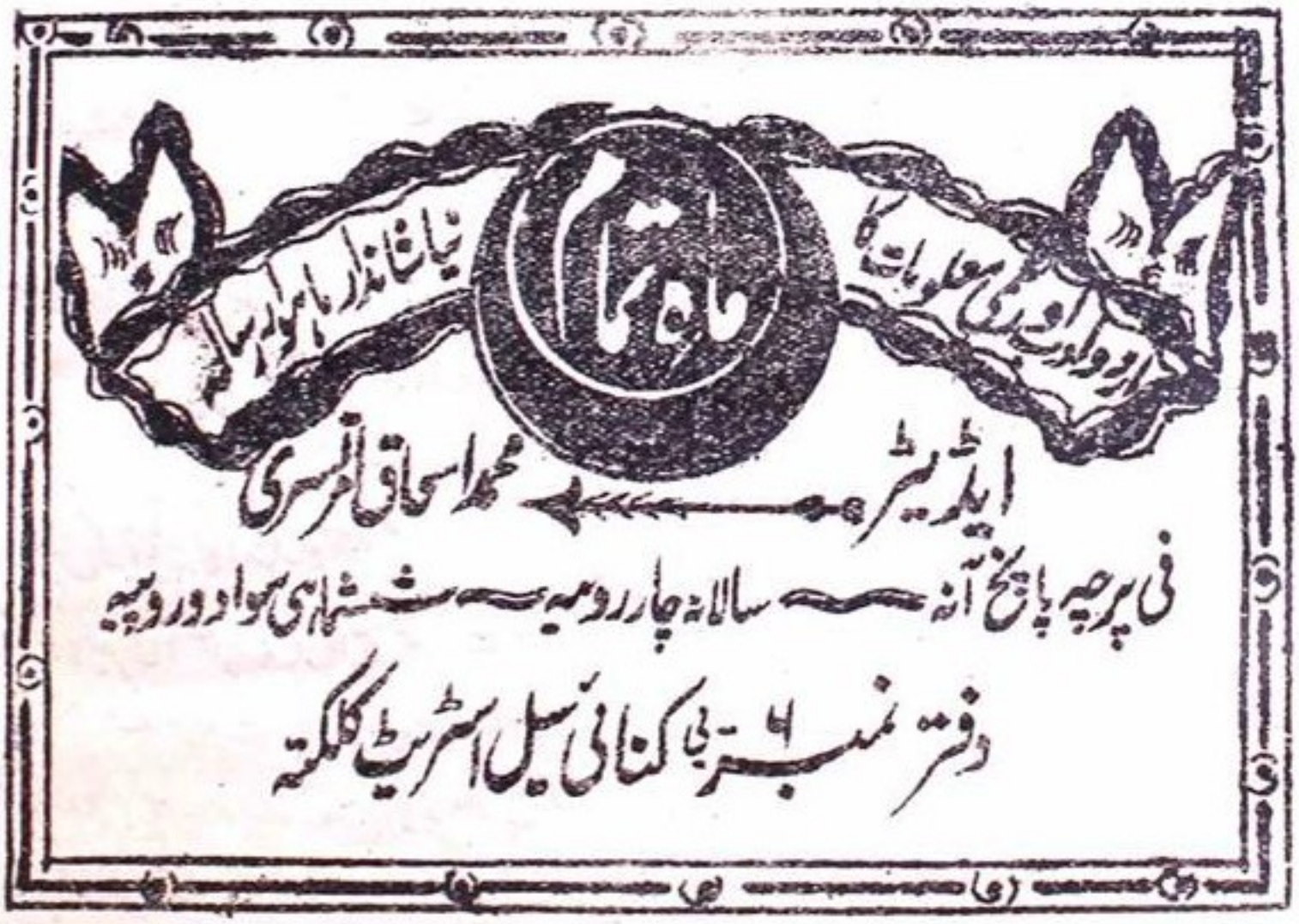
ماہِ نیاز
ایڈیٹر ← محمد اسحاق امرتسری
فی پرچہ پانچ آنہ ← سالانہ چار روپیہ ← شاہی سوا دو روپیہ
دفتر نمبر ۶ بی کنائی سیل اسٹریٹ کلکتہ

مذاکراتِ نیاز۔ یعنی حضرت نیاز کی ڈائری جو ادبیات و تنقید عالیہ کا عجیب و غریب ذخیرہ ہے۔ ایک بار اس کو شروع کر دینا اخیر تک پڑھ لینا ہے اس کتاب کی بہت کم جلدیں باقی رہ گئی ہیں۔ قیمت ۱۲ر (علاوہ محصول)

فلاسفۂ قدیم۔ اس مجموعہ میں حضرت نیاز کے تین علمی مضامین شامل ہیں (۱) چند گھنٹے فلاسفۂ قدیم کی روحوں کے ساتھ (۲) مادیین کا مذہب (۳) حرکت کے کرشمے نہایت مفید و دلچسپ کتاب ہے قیمت عہ (علاوہ محصول)

منیجر نگار لکھنؤ

فاقے کی ایک شام

بچے کو روتا دیکھ کر

روؤ نہ اے دلبند! اے تسکین جانِ بیقرار
تیری بیچینی کے صدقے، تیرے رونے پر نثار

تیرے رونے کا یہ عالم ہے تو اے جانِ پدر
خون ہو کر بہ نہ جائے میری آنکھوں سے جگر

ہنس کہ ہنسنے کے لئے ہے، شوقِ بے پروا ترا
پھول سے یہ لب ترے، یہ چاند سا چہرا ترا

مہر و مہ سے گرچہ رخشاں ہے زمانے کی جبیں
آہ میرے پاس، مٹی کے کھلونے بھی نہیں

کس طرح بہلاؤں تجکو، کس طرح تسکین دوں
زخمدارِ عسرت و بیچارگی ہوں کیا کروں

درد سے بیچین ہوں میں، بھوک سے ہے تو نڈھال
درد کیا؟ اس عمر میں تیری اذیت کا خیال

ہائیں! یہ مجھ سے لپٹ کر کس لیے چپ ہو گیا
روتے روتے، دھیمی دھیمی سسکیاں بھرنے لگا

کیا تجھے بھی، میری غمگیں زندگی کا پاس ہے؟
کیا تجھے بھی میرے سوزِ روح کا احساس ہے؟

تو سمجھ کر رو رہا تھا، تیرہ بختی پر مری؟
ہے عیاں تیری نگاہوں پر مری بیچارگی؟

دیکھتا ہے مجکو غمگیں، اس لیے ہے مضمحل؟
دردِ ہستی کو سمجھتا ہے تیرا معصوم دل؟

جھلملاتی شمع کی، دھندلی سی اک تنویر ہے
مجھ پہ ہے جو حال طاری، اس کی تو تصویر ہے

نرم و نازک پنکھڑی، بیگانۂ لطفِ نسیم
یعنی میری گود میں بھی، تو ہے مانندِ یتیم!

آہ، یہ دنیا، سراسر قلزمِ قہر و گناہ
کشتیِ انسان ہے، طوفاں مصائب میں تباہ

خاک کے ذرّے نہیں یہ سطح پر بکھرے ہوئے
روحِ انسانی کے اجزا ہیں، مگر بکھرے ہوئے

دوڑتا ہے ہر طرف زیرِ فضائے آسماں
پیچ و خم کھاتا ہوا، افلاسِ عسرت کا دھواں

جنبشِ پیہم سے ہے ڈوبی ہوئی نبضِ حیات
اک نوائے درد بنکر رہ گئی ہے کائنات

اک فضا ہے، اور اس پنہائے گیتی سے عظیم
جس میں غنچے مسکراتے ہیں، نہ گاتی ہے نسیم

اور بھی ہے اک سمندر، روز و شب سرگرمِ جوش
جس کے آگے ہیچ ہے عمان و قلزم کا خروش

وہ فضا ہے کشتگانِ غم کے نالوں کی فضا
درد سے لبریز، صرفِ کلفتِ صبر آزما

اس سمندر میں رواں ہیں بیکسوں کے اشکِ غم
خونِ دل، خونِ جگر، سیل آفریں موجِ الم

کاش ان تاریکیوں میں بارشِ انوار ہو
کاش یہ دنیا ہوس کے خواب سے بیدار ہو

علی اختر (حیدرآباد دکن)

بصارت وبصیرت

تنوع و نیرنگیٔ تجلّی نہیں یہ خود اعتباریاں ہیں نظر کی جادو طرازیاں ہیں خیال کی سحر کاریاں ہیں
شباب پر ہے بہارِ فطرت کہ دل کی آئینہ داریاں ہیں یہ حُسن کی طرح داریاں ہیں کہ عشق کی حُسن کاریاں ہیں
بصارت افزا بصیرت افروز کیوں نہ ہوں جلوہائے کثرت کہ یہ مجازآفرینیاں اصل میں حقیقت نگاریاں ہیں
وہ بے خودی ہے خود اختیاری جو غیر سے بے نیاز کردے تأمل جن کا ہو خود شناسی وہ مستیاں ہوشیاریاں ہیں

حقیقتِ حُسن کو نہیں احتیاجِ رنگِ مجاز کوکبؔ
نگاہ کی قدردانیاں ہیں مذاق کی پاسداریاں ہیں

کوکبؔ (شاہجہاں پوری)

قصۂ غم سُنا کے دیکھ لیا وہ چلے مُسکرا کے دیکھ لیا
جو تماشا تھا طور پر ہم نے آگ گھر میں لگا کے دیکھ لیا
حشر بزمِ خیال کا میری خواب میں تم نے آکے دیکھ لیا
کچھ نہ تھا جز فریبِ رنگ نمود نقشِ ہستی مٹا کے دیکھ لیا
نہیں کھلتا نصیب کا عقدہ ہاتھ پاؤں ہلا کے دیکھ لیا
تلخیٔ غم نہ ایک دن بدلی بارہا زہر کھا کے دیکھ لیا

ان حسینوں کا اعتبار نہ کیش
آزما آزما کے دیکھ لیا

شیخ عبداللطیف نیش ام-اے

(گورنمنٹ ایمرنسی کالج)

دیوان امرناتھ محسن امرتسری

محدود رہا ذوقِ زاہد۔ صف مسجد تک — رندوں کو تو کل دُنیا اپنی ہی نظر آئی
دل یاد میں ہو تیرے اور یاد تری دل میں — میری یہی مجلس ہے میری یہی تنہائی
محسن میں کہوں کیسے جو نقش ہے باطل ہے — مجکو تو یہ کل دُنیا کچھ اور نظر آئی

کوئی بھی میرا نہیں تیرے سوا — اس نہ ہونے ہی پہ مجکو ناز ہے
علم نے محسن دیا سب کو فریب — راز تھا جو کچھ ابھی تک راز ہے

تو رودادِ جوابِ خط سنانے سے نہ ڈر قاصد — میں بخت نارسا کا اپنے پہلے ہی سے قائل ہوں
نگاہِ ناز کے صدقے۔ نوازا کس تکلف سے — ابھی میں ننگِ محفل تھا ابھی میں رنگِ محفل ہوں
قرار اک جانہیں محسن کبھی بازارِ عالم کو — متاعِ دست گرداں ہوں نمودِ جنسِ باطل ہوں

دل اُسی کی جلوہ گاہ نازہے اے بے خبر — یہ پریشاں کیا ہوا۔ عالم پریشاں ہوگیا
عفو کر اے جوشِ رحمت یہ تری توہین تھی — یہ خطا بیشک ہوئی احساس عصیاں ہوگیا

اُمید کی جھلک اب کچھ ہو تو اسطرح ہو — عالم جو صبح کو ہو تاروں کی روشنی کا
کہنے کو تو میں کہدوں۔ کچھ سرگذشت اپنی — ڈر ہے نہ نام لیگا پھر کوئی زندگی کا

اگر اسی رنگ سے ہے جینا۔ تو اور جی کر میں کیا کروں گا — اُدھڑنے والے ہیں جب یہ بخیے تو ان کو سی کر میں کیا کروں گا
اٹھالو آگے سے میرے ساغر۔ ہٹا دو آگے سے میرے مینا — سرور قسمت میں جب نہیں ہے۔ تو اور پی کر میں کیا کروں گا

دستِ مطرب میں ہے راز زیر و بم — تو سمجھتا ہے اسے حسنِ ربا ب
حُسن کیا اور حُسن کا معیار کیا — اپنی اپنی آنکھ اپنا انتخاب

سنا مجکو نہ اے مطرب تو دردِ دل کا افسانہ — بھرا بیٹھا ہوں محفل میں چھلک جائیگا پیمانہ

پیامِ تہنیت دل کہاں سے آتے ہیں — مری جبیں کہ ترے آستاں سے آتے ہیں
کہاں وہ لطفِ تکلم۔ کہاں وہ راز و نیاز — وہ اب جو آتے بھی ہیں گماں سے آتے ہیں

واقفِ دیر و حرم لاکھوں ملے تو کیا ملے — کاش مل جاتا کہیں اک آشنائے دل مجھے
گر نہیں بادِ موافق جوشِ طوفاں ہی سہی — کوئی تو پہونچا ہی دیگا تا لبِ ساحل مجھے

قدم راہِ محبت میں اٹھانے سے نہیں اٹھتے — اگر تحریک ہوتی ہے تو خود منزل سی ہوتی ہے
نہ موسے منہ سے کچھ کہتے نہ رسوائے جہاں ہوتے — سمجھ لیتے اگر عرضِ تمنا دل سے ہوتی ہے

جنوری ۳۵ء کا نگار

(ایک مخصوص دعوت علم وادب)

نگار کی خصوصیت سالہا سال سے قائم ہے کہ جنوری کا پرچہ کسی خاص موضوع کے لئے وقف ہوتا ہے اور تقریباً دو چند ضخامت پر شایع کیا جاتا ہے، لیکن جنوری ۳۵ء کے نگار کے متعلق جو اہتمام پیش نظر ہے وہ غالباً بہت زیادہ اہم، حد درجہ دلچسپ اور بغایت مفید و کار آمد ثابت ہوگا

ارادہ ہے کہ دہلی و لکھنؤ اسکول[1] کی شاعری پر فنی، تاریخی، ادبی و تنقیدی حیثیت سے ایسا عمومی و جامع تبصرہ کیا جائے کہ اس موضوع پر کسی دوسری کتاب کے دیکھنے کی ضرورت پیش نہ آئے۔ مثلاً

دہلی و لکھنؤ اسکول کی خصوصیات —— زبان اور فن کی حیثیت سے دونوں کا تقابل —— زمانہ و ماحول کے اثرات۔ —— ایک اسکول کا اثر دوسرے اسکول پر —— ہر اسکول کے بہترین نمایندے —— دونوں اسکولوں کے مختلف دور اور اُن کی خصوصیات —— مثنوی، غزل، قصیدہ اور رباعی میں ہر اسکول کے خاص خاص کارنامے اور اُن پر تبصرہ — دونوں اسکولوں کی باہم نوک جھونک — دونوں جگہ ہر دور کے بہترین تین شاعروں کے بہترین بیس بیس شعر — دکن اور پنجاب کی خدمات اُردو شاعری۔ اس لئے بہت ممکن ہے کہ نگار کا یہ نمبر کئی سو صفحات کی ضخامت تک پہونچ جائے

میں ملک کے تمام اہل قلم کو دعوت دیتا ہوں کہ وہ متذکرۂ بالا عنوانات میں سے کسی عنوان کو لے کر یا اسی طرح کا کوئی دوسرا عنوان اپنی مرضی سے منتخب کر کے اپنے خیالات کا اظہار فرمائیں۔ مطبوعہ خطوط علیحدہ علیحدہ بھی جاری کئے جاتے ہیں، لیکن ممکن ہے کسی صاحب کا نام سہواً رہ جائے، اس لئے میں اس اعلان کے ذریعہ سے سب کو شرکت کی دعوت دیتا ہوں۔ اسی کے ساتھ یہ بھی استدعا ہے کہ جو حضرات مضمون ارسال فرمائیں وہ اپنی ایک تصویر بھی بھیجدیں تاکہ اس کا بلاک طیار کرایا جائے۔

منیجر نگار لکھنؤ

---

[1] دہلی و لکھنؤ اسکول سے تمام وہ شاعر متعلق ہیں جو ان کا تتبع کرتے ہیں خواہ وہ دہلی اور لکھنؤ کے رہنے والے ہوں یا نہ ہوں

خواتین کے مطالعہ کی کتابیں

گوڈر کا لال	للعہ	فرائض مادری	۱۲ر
شوکت آرا بیگم حصہ ۲	۲ے	افسانہ نادر جہاں	عہ
" حصہ سوم	۳ے	اقبال دوشین	عہ
سعیدہ کے خطوط	عہ	حسن عاشرت	عہ
پیاری سہیلی	۱۰ر	ایامی	عہ
نئی نویلی پیاری سہیلی	عہ	سولہ کہانیاں	۱۱ر
عورتوں کی انشاء	عہ	سترہ کہانیاں	۱۲ر
انشاء نسواں	۸ر	سولہ قصے	۸ر
سیرۃ الکبریٰ	عہ	مراۃ العروس	۸ر
طرز زندگی حصہ اول و دوم	عگ	نباۃ النشء	۸ر
ملفوظات تیموریہ	عگ	توبۃ النصوح	۱۲ر
ازواج النبی	۱۲ر	کنیز فاطمہ	۸ر
ازواج الانبیا	عہ	پنگھڑیاں	۸ر
سیرۃ عائشہ صدیقہ	عگ	نصیحت کا کرنپھول	۸ر
عفت المسلمات	عہ	برکات سلطانی	۸ر
سلیقہ انجناں	عگ	ابن الوقت	عہ
بچوں کی پرورش	عہ	چند پند	۴ر
حرز اطفال	عر	منتخب الحکایات	۴ر
تہذیب نسواں	عگ	تذکرہ ستی	عر
بیٹی کی تعلیم	عہ	حفظ صحت	عر
بیٹی کی تربیت	عہ	طبیب نسواں	عہ
تربیت اطفال	۱۲ر	بہر صحت	۸ر

ناول، ڈرامے اور افسانے

قطرات اشک	عہ	سونی	۱۲ر
جتندر اناتھ	عہ	وداع ظفر	عہ
بس کار دکھ	عہ	یاسمین شام	عہ
فسانہ سعید	۸ر	طوفان اشک	عہ
خونخوار کیتی	عہ	شاہین دوراج	۸ر
سیلاب شک و تسویر	عہ	درس عشق	عہ
بے زبان دوست	۱۲ر	کروڑ پتی چور	عہ
جمال ہم نشیں	عہ	تین بندوق باز	عہ
تفسیر عصمت	عہ	کرشنر رقابت	۸ر
جوہر قدامت	عہ	انقلاب قسطنطنیہ	۸ر
نائیلہ نبی	۸ر	شاہد رعنا	عہ
پراسرار قتل	عگ	ویڈیا کی سرگذشت	۴ر
اعلان آزادی	۵ر	شگوفۂ محبت	۷ر
سرگذشت ہاجرہ	۱۰ر	نسوانی زندگی	۸ر
نوحہ زندگی	۱۲ر	ولایتی بنھی	۸ر
قلب حزیں	۸ر	شمع خاموش	۸ر
عروس کربلا	عہ	شب زندگی کامل	عگ
شہید مغرب	عر	مودودہ	۸ر
ماہ عجم	عہ	چندر کلا	۸ر
تیغ کمال	عہ	گلستان خاتون	عہ
سراب مغرب	۸ر	صبح زندگی	عر
منازل السائرہ کامل	عگ	شام زندگی	عر

تاریخ و سوانحعمریاں

تاریخ مغرب	عگ	بازاری زبان	۸ر
مختصر تاریخ اسلامی	۸ر	لغات سعیدی	للعہ
" " حصہ ۲	۹ر	لغات کشوری	ے
" " حصہ ۳	۱۰ر	گنجینۂ تحقیق مجلد	للعہ
" " حصہ ۴	عر	سبز اللغات فارسی	عگ
الصالحات	عہ	محاورات نسوان	۸ر
امت کی مائیں	عر	جواہر اللغات	۱۲ر
الزہرا	۱۲ر	گوہر اللغات	۱۲ر
اسوۂ حسنہ	۸ر	چراغ سخن	عر
ہندو شعراء	عہ	دکھنی لغت	۸ر
شونہار	عہ	جواہرات کلیات نظیر	عہ
سوانح اکبر الہ آبادی	عر	عزیز اللغات	عگ
سفرنامہ عراق	عر	تذکرۂ رنجش	عر
تاریخ افاغنہ	عہ	تاریخ اُردوے قدیم	عہ
اسلام اور غیر مسلم	۹ر	دکن میں اُردو	عگ
سیر المصنفین حصہ ۱	عگ	منتخب کلام ہندی	عگ
" " حصہ ۲	عہ	رباعیات عمر خیام	عگ
تاریخ اسلام ۵ جلد	عر	منتخب کلام ہندی	عگ
اخبار الاندلس ۳ جلد	عگ	اُردو کے اسالیب بیان	عگ
خلافت موحدین	للعہ	تصریح الاغلاط	۴ر
خلافت مولدین	عگ	مقیاس اُردو	۵ر
عرب اور اسکا مستقبل	عہ	نور اللغات ۴ جلد	للعہ

دواوین فارسی

دیوان شمس تبریز	عہ	کلیات غالب	عہ	دیوان غنی کشمیری	۶ر
کلیات عراقی	۱۲ر	کلیات صائب	عہ	دیوان ہلالی	۶ر
دیوان حافظ	عہ	دیوان ناصر علی	۷ر	اسرار خودی و رموز بے	۸ر
دیوان بیدل	۱۲ر	کلیات سعدی	عہ	زبور عجم	بے
دیوان عرفی	۱۲ر	کلیات حزیں	عہ	پیام مشرق	بے
کلیات جامی	عگ	دیوان عنصری	۱۴ر	قصائد عرفی مجلد	بے

دواوین اُردو

کلیات ظفر	عگ	کلیات نظیر اکبر آبادی	عر	صنمخانۂ عشق	عگ
کلیات مومن	عہ	گلزار داغ	عہ	فریاد داغ	عہ
دیوان ناسخ	عہ	دیوان رند	۱۲ر	عالم خیال بالتصویر	عر
کلیات میر	عہ	دیوان ذوق	۱۲ر	دیوان شہیدی	۴ر
کلیات سودا	عہ	گلدستہ عزیز	عر	کلیات اکبر الہ آبادی	للعہ
کلیات انشاء	عہ	مراۃ الغیب	عر	نغمۂ داؤدی	عہ

رجسٹرڈ نمبر اے ۱۱۰۴

ذیل کی کتابیں نگار بک ایجنسی سے طلب فرمائیے

رجسٹرڈ نمبر اے ۱۱۰۴

تذکرہ و تاریخ

- پیغمبر اعظم عہ ۸ر
- شب معراج عہ ر
- سراج منیر عہ ر
- پیغمبر عالم عہ ۸ر
- سوانح حضرت رسول عہ ر
- سید المرسلین عہ ۸ر
- حیدر کرار عہ ۸ر
- سیرۃ الصدیق عار
- عمر ابن خطاب عہ ر
- ابوبکر صدیق عہ ر
- ائمہ اسلام ۱۲ر
- الحبیب عار
- عمر بن عبدالعزیز عہ ر
- دولت غار وقیہ عار
- مکمل سوانح زیب النسا بیگم عہ ر
- تذکرہ اولیا عار
- تذکرہ اولیائے ہند للعہ
- مراۃ الکونین عار ۸ر
- فصص الانبیا مکمل عہ ۱۲ر
- سفرنامہ چین عار
- تلخیص تواریخ عہ ر
- خاتون جنت عار
- مختارات الصوفیہ عہ ر
- خواتین انگورہ عہ ر
- مشاہیر نسواں عہ ر
- مشاہیر ہند عار
- محذرات مصورہ عار
- بیگمات بنگال ۶ر

جاسوسی کے ناول

- شرلاک ہولمز عار
- محاصرۂ پیرس ۸ر
- شیخ چلی ۴ر
- بہرام کی واپسی ۴ر
- انقلاب فرانس عہ ر
- بحری قزاق عہ ر
- فطرتی جاسوس عہ ۸ر
- ٹرکی حرم سرا ۸ر
- جنگ طرابلس ۴ر
- بہرام چور ۱۲ر
- زر پرست ۱۲ر
- کنجی کا راز ۸ر
- عبدالرحمن ناصر عہ ر
- عروس مصر عار
- سیلاب خون عہ ۸ر
- سیاحت زمین عہ ۴ر
- سیاحت ہوا عہ ر
- نازنین مراکش ۸ر
- سمندر کی سیر عار ۸ر
- اسرار المشویزم عہ ۴ر
- روح لیلیٰ ے ر
- امین بیگ ۱۲ر
- حجاج بن یوسف عہ ۴ر
- یوسف پاشا عہ ۸ر
- انقلاب عثمانی عہ ۴ر
- بہرام کی رہائی عہ ۴ر
- بہرام کی آزادی ۱۲ر
- بہرام کی سرگذشت عہ ۴ر

مراثی

- مراثی دبیر عار ۸ر
- مراثی انیس کامل للعہ ۸ر
- مراثی ضمیر عہ ر
- مراثی مونس ے ۱۲ر
- مراثی دلگیر ے ۱۲ر

عجائب و غرائب

- عجائب مخلوقات تصویر رنگین۔ عہ ۱۲ر
- بلا تصویر سادہ للعہ
- مجمع الفنون ے ۸ر
- طلسم فرنگ عار
- کارخانۂ عالم عہ ر

رنالڈز کے ناولوں کے ترجمے

- الہ دین دلبلی عار ۸ر
- فریب حسن عار ۴ر
- سوزش عشق عہ ۸ر
- روز الیمبرٹ للعہ ۸ر
- ناول اسرار عار ۸ر
- شام جوانی ے ۴ر
- حرم سرا ے ر

ناول سجاد حسین

- احمق الذی ۸ر
- حاجی بغلول ۸ر
- پیاری دنیا ۸ر
- کایا پلٹ ۸ر
- مٹھی چمپی ۹ر
- طرح دار لونڈی عہ ر
- طلسمی فانوس عہ ۱۲ر

ناول جوالا پرشاد

- مزالفی ۱۰ر
- مار آستین ۱۰ر
- بنگالی دولہن ۱۲ر
- معشوقہ فرنگ ۸ر
- پرتاب ۱۲ر
- روہنی ۱۰ر

ناول سرشار

- سیر کہسار ے ۸ر
- خدائی فوجدار عار ۸ر
- جام سرشار عہ ۸ر
- الف لیلہ بطرز ناول صہ ر
- کامنی عہ ۸ر
- سوانح عمر دعیار عہ ۸ر

ظفر عمر بی اے

- چوروں کا کلب ۹ر
- نیلی چھتری عہ ۴ر
- بہرام کی گرفتاری عہ ر

ادبی کتابیں

- مکمل شرح دیوان غالب ے ر
- بزم خیال صہ ر
- مشاطۂ سخن ۱۰ر
- مکاتیب محسن الملک عہ ۸ر

تذکرۃ الشعراء

- تذکرۂ حسینی ۱۲ر
- گلشن بیخار ۱۰ر
- سراپائے سخن عہ ر
- سوانح نظیر اکبر آبادی عار

مولانا شبلی نعمانی

- سیرۃ النبی جلد اول صہ ر
- " " دوم للعہ
- " " سوم ے ر
- الفاروق ے ر
- الغزالی عہ ۸ر
- الماموں عہ ۸ر
- رسائل شبلی عہ ۸ر
- موازنہ انیس و دبیر ے ر

ناول شرر

- جنید بغدادی عہ ر
- محذرات ۸ر
- جویائے حق للعہ
- لعبت چین عہ ر
- فاتح و مفتوح عہ ۴ر
- ایک خرمی عہ ۸ر
- ایام عرب عار ۸ر
- قیس و لیلیٰ عہ ۴ر
- یوسف و زلیخا عہ ۸ر
- زوال بغداد عہ ۴ر
- حسن کا ڈاکو عہ ۸ر
- دربار حرام پور ۱۰ر
- جنا با زار عہ ر
- مقدس نازنین عہ ۸ر
- روضۃ الکبریٰ عہ ۴ر
- فلپا نا عہ ۸ر
- شوخین ملکہ عہ ۸ر

کلام شبلی اردو

- الکلام عہ ۴ر
- علم الکلام عہ ۸ر
- شعر العجم جلد اول عار ۱۲ر
- " دوم عار ۸ر
- " سوم عار ۸ر
- " چہارم عار ۸ر
- " پنجم عار ۸ر

نگار بک ایجنسی لکھنؤ

مطبوعہ گلشن آبزرور پریس لکھنؤ بانتظام مرزا احسن بیگ ناشر و مالک نگار بک ایجنسی لکھنؤ